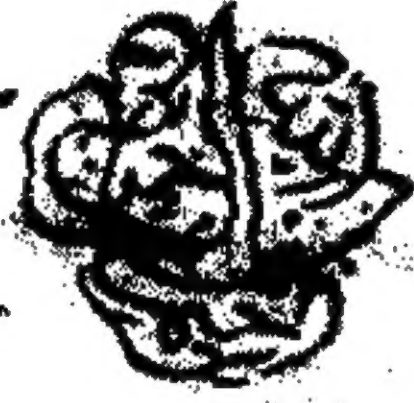


سانپ کی استین

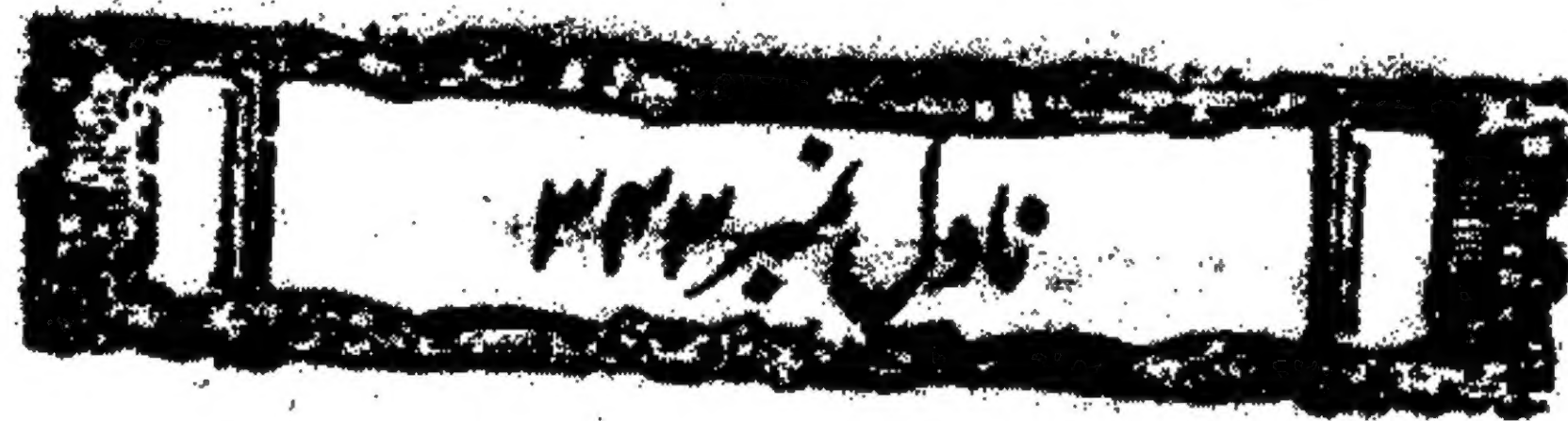
اسحاق احمد





محمود ۝ فاروق ۝ فرمانہ

اور — انپکٹر جمشید سیریز



سانپ کی آستین

اشتیاق احمد

الحق بن علیؑ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ
نئی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت نہ ہوگی، یہاں
تک کہ تم ایک قوم سے لڑو گے کہ ان کی جوتیاں
بالوں کی ہوں گی اور قیامت قائم نہیں ہوگی، یہاں تک
کہ لڑو گے تم ایک قوم سے کہ منہ ان کے مثل ڈھالوں کے
تہ بہ تہ ہوں گے۔ (ترمذی)

حضرت سالم بن عبد اللہ اپنے والد سے روایت کرتے
ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قریب ہے
کہ نکلے گی ایک آگ حضرت موت سے یا یہ فرمایا کہ نکلے
گی حضرت موت کے دریا کی طرف سے آگ کہ روز قیامت
سے پہلے جمع کر دے گی لوگوں کو۔ عرض کیا صحابہ کرام
رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیا حکم فرماتے
ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لازم پکڑو تم شام کی
سکونت کو۔ (ترمذی)

محمد شوقی طغوزا ہیرہ

نام ناول — سانپ کی آستین
مطالع — اشتیاق احمد

کتابچہ — اسطیغ نامدار
سرمدی — محمد محمود خدیو
قانونی مشیر — شمیم احمد ایڈووکیٹ
مطبع — لالہ عبدالرشید پرنٹرز
قیمت — 30 روپے
سالانہ قیمت — ۲۴۷ روپے

اشتیاق پبلی کیشنز

۹/۱۲ نصیر آباد — سلم پورہ — ساندہ کھان — لاہور

فون نمبر: 321537

دوباتیں

اسلام علیکم

اس ماہ کے دوباتیں حاضر ہیں۔ یہ تجد تو مکہ گیا، اب
سویج رہا ہوں۔ کیا خاکہ حاضر ہیں، ذہن میں تو کچھ بھی
نہیں، کھنکھایا۔ کھنکھائی تو دوباتیں ہیں اور باتیں
بھی نہیں سوچ رہی۔ دعتہ تیرے کہ۔ یہ ہے
ایک ناول نگار کے حوالہ۔ جو ۱۲۰ صفحات کا خام نیر
تو کہہ سکتا ہے، ایک چند صفحات کے دوباتیں کہتے وقت
سر پٹنے لگتا ہے۔ اسے یاد آیا۔ پہلے انتخابات پر بات
کر لیتے ہیں، یکے اس کے سوا کیا بات کر سکتا ہوں کہ
انتخابات ہو چکے ہیں، مکہ کو اب ایک نئی قیادت
ملے گی۔ دعا کریں کہ وہ قیادت ایک ایسے قیادت ہو
جو صرف اور صرف مکہ کے مفاد کو سامنے رکھ کر کام کرے
اور ایسے لوگوں کو نکالے باہر پیچھے جو مکہ کے دشمن ہیں۔
جو مکہ کے جزیہ کاٹنے کے چکر میں رہتے ہیں، جزیہ
کاٹنے والے اللہ لوگوں سے ہوشیار رہنے کے بھی جت

مزدور ہے۔ خام طور پر بڑے طاقتور سے ہوشیار رہنے
کے مزدور ہے۔ یہ بڑے طاقتور ہر نیک حکومت کو اپنے
دام میں پھانسنے کے چکر میں رہتے ہیں۔ خیر ہمارے صاحب
اختیار لوگ اللہ باتوں سے ہم سے اچھے طرح واقف ہیں،
لہذا ہم یہ باتیں کہہ کر سکتے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ دو
باتیں ہیں اللہ باتوں کے بھی گہنا کٹھن نہیں ہے۔ کیا
خیال ہے آپ کا۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا۔ مطلب یہ
ہوا کہ میں اس بات سے دوباتیں کا کام نہیں چلا سکتا۔
مجھے کوئی اور راستا دیکھنا ہو گا۔ سوال یہ ہے کہ کوئی اور راستا
کیا ہو؟

یاد آیا، اس مرتبہ ایک صحافی کا خط موصول ہوا ہے
کے کو وہ ایک دم کی آمیز خط ہے۔ اللہ صاحب نے زبان اس
قسم کے بیانیہ کہ ہے کہ خط نقل تو کیا، میں نہیں جاسکتا۔
وہ جو چاہتے ہیں وہ تحریر کر دیتا ہوں۔ انھوں نے مجھے خبردار
کیا ہے کہ اگر میں نے آئندہ اپنے کتا بوں کے آخر میں چند
سوالے عیاں ہوں سے دلائل شائع کیا تو وہ مجھے کاشفہ کشف
سے اڑا دیں گے۔ خط میرے پاس محفوظ ہے۔ اور میں
ان سے مرضی معلوم کرنا چاہوں گا کہ اس اسلامی مکہ میں
سیاستہ کے تبلیغ کئے بند رہ کر سکتے ہیں۔ اللہ

حضور نبی کریم ﷺ تو جزیرہ عرب سے انھیں نکالنے کا حکم دیا اور ہم انھیں اپنے ملک میں کھلے بندوں تبلیغ کرنے کی اجازت دیا اور پھر ان کے دھمکیاں بھی سنیں۔ غور فرمائیں، اب یہ لوگ دھمکیاں دینے پر مجبور ہو اتر آئے۔

ادھر سعودی عرب میں امریکہ فوج کو دعوت دی گئی ہے کہ وہ عراق کے طرف سے حملے کی صورت میں ان کا بچاؤ کریں۔ امریکہ فوج میں یہودی بھی شامل ہیں۔ بلکہ جس امریکہ کمانڈر کو سعودی عرب بھیجا گیا ہے، اسے بھی یہودی بتایا جاتا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ انھیں جزیرہ عرب سے نکال دو، لیکن ہمارے عرب حکمرانوں نے خود اپنے کو دعوت دی ہے۔ اوفی اللہ!

یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے حضور نبی کریم ﷺ اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ولادت سے پہلے خاندان کعبہ کے مقابلے میں کعبہ بنایا تھا۔ اور خانہ کعبہ پر چڑھائی کی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے ابا بیلوں کو بھیج کر ان لوگوں کو تھس تھس کر دیا تھا۔

یہ وہی تو ہیں جنہوں نے نور الدین زنگی کے دور میں یہ سازش کی تھی کہ حضور نبی کریم ﷺ اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر کو نکالا جائے۔ منصوبے کے مطابق دو نصرانیوں کو نماز سکھائی گئی، ڈارمے دکھوائے گئے اور ہزاروں اشرفیاء دے کر مدینہ منورہ روانہ کیا گیا۔ حضور

نے کوئی سوال تک نہیں پوچھ سکتا۔ بہتہ خوب، اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ وہ سب کچھ کرنے کے لیے آزاد ہیں، وہ بھی میرے ملک میں۔ اور ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ اپنے ملک میں۔ اگر کریں گے تو کلاش کو فضا سے اڑا دیے جائیں گے۔

ان علاقہ میں تو پھر کلاش کو فضا سے اڑ جانا بہتر ہے۔ آپ لوگوں کا اس بارے میں کیا خیال ہے۔ ان لوگوں کے عیسائیت کے تبلیغ کھلے بندوں جاری رہنے چاہیے یا بند ہونے چاہیے۔ اب نئے حکومت بن گئی ہے، آپ کے ملک کے گردہ گردہ قومی اگلیوں آپ کے ہیں۔ ان سے مطالبہ کیا جانا چاہیے کہ عیسائیت نے بہتہ پر پڑنے نکال لیے ہیں، اگر ان کے پر کاٹنے نہ ڈالے گئے تو نتائج بہتہ ہولناک ہوں گے۔

قرآن کریم کا ارشاد میں پہلے بھی دو باتیں ہیں کہ چکا ہوں، اب پھر کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "یہود و نصاریٰ تم سے ہرگز راضی نہیں ہو سکتے جب تک کہ تم ان کے تابع داری نہ کرو۔"

دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا: "اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دوسرے متعہ بنادو۔"

حضور نبی کریم ﷺ اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں نور الدین زنگی کو اشارہ کیا اور اس طرح یہ سازش پکڑ لی گئی۔
آپ نے ملاحظہ فرمایا، یہ لوگ کس حد تک خطرناک ہیں،
الف کہ تبلیغ ہمارے ملک کے لیے کتنے خطرناک ہے۔ لہذا
اس طرف توجہ دینے کا اشد ضرورت ہے۔

الٹرنیٹ ویب پروگرام ہیں جو اسلام کا مذاق اڑاتے رہے
ہیں۔ اب جب کہ یہ حکومت آچکی ہے۔ لہذا اس طرف
توجہ کے شدید ضرورت ہے کہ اسلام کے منافی کوئی پروگرام
نہ دکھایا جائے۔ فیصل آباد سے جید علی صاحب نے توجہ
دلائی ہے کہ ۲۱ اکتوبر بروز اتوار رات آٹھ بجے ایک ڈراما
دھوپ چاند دکھایا گیا۔ اس میں ایک آدمی نے دو سنگ
بھنوں سے شادی کی۔ ایک ہی وقت میں۔ اور اس
شخص کو مسلمان دکھایا گیا ہے۔ اس قسم کے حرکات جان
بوجھ کر کی جاتی ہیں۔ تاکہ اسلامی اقتدار منہ ہو کر رہ جائیں۔
ایک شہر کے گورنمنٹ کالج فار ویمن سے ایک بچہ کا دھبہ
خط موصول ہوا ہے۔ انھوں نے اپنے کالج میں ایک دشمن
اور اسلام دشمن سرگرمیوں کے طرف توجہ دلائی ہے۔ میں نے
الف کا خط الف لوگوں تک پہنچا دیا ہے، جس کا وہ پہچانا
تھ رہے ہیں۔

الف کے لیے یہ مناسب ہے۔

یہ دو باتیں ابھی کہ رہا تھا کہ ایک اور تراشہ نکلا۔
اس تراشے میں ایک اور چونکا دینے والا ہاتھ لکھی گئی
ہے۔ آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:

”اسرائیل کے ناپاک جارحانہ اور امریکہ

ایک اخباری اطلاع کے مطابق اسرائیل پارلیمنٹ کے عمارت
پر یہودی سلطنت کے نقشے میں دجلہ اور فرات کے وادی
کے ساتھ ساتھ مدینہ منورہ کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ یہ دعویٰ
یہودیوں کے عالمی تنظیم کے صدر نے یہودیوں کے دو سو سالہ
جشن کے تقریباً میں اسرائیل پارلیمنٹ کے عمارت پر
یہودی ریاست کے نقشے کو نقاب کشائی کرتے ہوئے کیا۔

جہاں تک اسرائیل کا تعلق ہے، وہ اپنی سلطنت کے حدود
میں مسلسل توسیع کا قائل ہے، اس لیے وقفہ وقفہ سے عراق
کے خلاف جنگ شروع کر کے الف کے علاقے ہتھیانا چلا جا
رہا ہے۔ اس نے پورے بیت المقدس پر قبضہ کر کے اسے
اپنا دار الحکومت بنالیا ہے۔ مدینہ منورہ کو مستقبل کے یہودی
ریاست کا حصہ قرار دینا اور امریکہ کے طرف سے یہودیوں کے
اس دعویٰ کو تائید دینا بھر کے مسلمانوں کے لیے ایک چیلنج
ہے اور اس حوالے سے پاکستان کے متعدد سیاست دان مذہب

غلطی ہو گئی

وزیر خارجہ کی کوشش کو آج دہلی کی طرح سبایا گیا تھا۔ آج یہاں ایک خاص پروگرام تھا۔ اند کا بیٹا دس سال بعد اپنے گھر لوٹ رہا تھا۔ دس سال پہلے وہ ملک سے باہر چلا گیا اور تعلیم مکمل کرنے کے بعد ہی اس نے واپس آنے کا پروگرام بنایا تھا، درمیان میں وہ ایک بار بھی نہیں آیا تھا، اگرچہ اس دوران اس کی والدہ بھی وفات پا گئیں اور وزیر خارجہ صاحب نے دوسری شادی بھی کر لی تھی، لیکن یہ حادثات بھی اسے چند دن کے لیے وطن آنے پر مجبور نہ کر سکے۔ باپ نے بہت خط لکھے، ماں نے بھی اپنی زندگی کے آخری لمحات تک اس کے آجانے کی دعا مانگی تھیں، لیکن اسے نہ آنا نہ آیا۔ ہر بار وہ ایک ہی جواب دیتا:

”میں ایک ہی بار آؤں گا، پھر پرویس نہ جانے

جہاں سے وہ طرف سے خلیج کے علاقے سے امریکی فوجوں کے دباؤ کا مطالبہ اپنے اندر خاصا دباؤ رکھتا ہے، امریکیوں کا لگایا ہوا پودا ہے اور وہ اسے عربوں کے خلاف ایک ایسے طاقتور ہتھیار کے طور پر دیکھتا ہے، جس سے عربوں کے خلاف ہر وقت خطرے میں ہے۔ دنیا بھر کے مسلمانوں کا یہ فرض ہے کہ وہ اسرائیل اور امریکہ کے اسلام دشمنی کے خلاف آواز اٹھائیں۔ عربی ممالک کا یہ فرض ہے کہ وہ خلیج کے موجودہ صورتحال اور عراق کو تیز تنازع کو حل کرنے کے کوشش کریں تاکہ امریکہ سے دخلہ ختم ہو سکے۔ خدا نخواستہ جنگ کے صورت میں عربوں کو نانا اور تلافی نقصان پہنچے گا۔ امریکی دخلہ کے نتیجے میں یہ خطہ جنگ کا مرکز بن سکتا ہے، جس کے نتیجے میں اس خطے کے قریب دو سب مسلمان ممالک بھی محفوظ نہ رہ سکیں گے۔“

قرآن مجید نے فرمایا۔ حالات کے حد تک نازک اور سنسنی خیز ہیں، آپ کو جو کہتے ہیں۔ ان حالات میں بھی اگر ہم امریکہ کو اپنا دوست اور ہمدرد خیال کرتے رہے تو یہ امریکہ کے جنت میں بنے والے ہوتے۔

بیمے دو باتیں کسی حد تک پوری ہو چکی ہیں۔ آئندہ ماہ پھر دیکھا جائے گا۔ شکریہ!

سب

کے لیے۔

والدہ دوسری دنیا کو سدھار گئیں، باپ نے صبر کر لیا اور بیٹے کو اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ وزیر خادیم کے ہاں بڑے بیٹے کے علاوہ دو بیٹے اور ایک بیٹی اور تھے۔ ان میں سے کسی نے ملک سے باہر جانے کی کوشش نہیں کی تھی۔

آج کا پروگرام تھا تو بیٹے کے آنے کی خوشی میں، لیکن وزیر خادیم صاحب نے دراصل ایک تیر سے دو شکار کیے تھے۔ انھوں نے چند غیر ملکی دوستوں کو بھی بلایا تھا۔ ایسے دوستوں کو جن کا تعلق ملکی معاملات سے تھا، انھوں نے پروگرام یہ ترتیب دیا تھا کہ دعوت کے بعد ان آفیسرز سے ایک خفیہ میٹنگ کی جائے گی جس میں چند ملکی مسائل طے کیے جائیں گے۔

ان دنوں ملک کے حالات بہت خراب تھے، حالات کو خراب کرنے میں کچھ دوسرے ملکوں کا ہاتھ تھا اور اس میٹنگ میں انھی ملکوں کے نمائندوں سے بات چیت کا پروگرام ترتیب دیا گیا تھا، لیکن وزیر خادیم نے اس بات کا اعلان نہیں کیا تھا، نہ آنے والے آفیسرز کو معلوم

تھا کہ اس وقت کوٹھی کے دروازے پر چوک کھڑے تھے، ان کے سامنے محمود، فاروق اور فرزانہ کھڑے تھے۔ انیکٹر جمشید نے غلطی کی بجائے محمود، فاروق اور فرزانہ کو ساتھ رکھنا پسند کیا تھا۔ اپنا ملک انھوں نے خان رحمان کی کار کو آتے دیکھا، ان کے چہروں پر سکرپٹ دوڑ گئی، ادھر کار پارکنگ انچارج نے خان رحمان کو اشارہ دیا کہ کنارہ کی طرف لے جانی ہے۔ خان رحمان پیٹے تو ادھر گئے، پھر کار سے اتر کر دروازے کی طرف بڑھے۔ ساتھ ہی وہ چوک آئے۔

”اوہو! یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔“

کی تلاشی لو۔

"کیا کہا۔ میری تلاشی۔ اوسے بھی یہ میں ہوں خان رحمان انھوں نے گھبرا کر کہا۔

"میں جانتا ہوں خان رحمان، لیکن مشکل یہ ہے کہ شیخ خالد ابراہیم صاحب وزیرِ خارجہ کا حکم ہے کہ میں کسی کو بھی تلاشی کے بغیر اندر نہ آنے دوں۔"

"اوسے اتب تم ضرور تلاشی لو۔"

"ہم نے تلاشی کی بھی ایک خاص ترتیب قائم کی ہے۔ آپ کی تلاشی پہلے فاروق لے گا، پھر محمود اور اس کے بعد میں۔ ہاں خواتین کی تلاشی کے لیے صرف خزانہ ہے۔"

"چلو کوئی بات نہیں۔ جس طرح بھی تلاشی لینی ہے۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" خان رحمان نے خوش ہو کر کہا۔

"یہ بھی اچھی بات ہے کہ تم خوش ہو کر تلاشی دے رہے ہو۔ ورنہ یہاں تو جو آ رہا ہے، منہ چلا کر اندر جا رہا ہے۔"

"یاد میں ان میں سے نہیں جو بات بے بات مڑ چلا لیتے ہیں۔"

فاروق نے ان کی تلاشی لی، پھر محمود نے اور اس کے بعد انسپکٹر جمشید نے۔ آخر وہ بولے:

"ایک پستول کے سوا تمہارے پاس کچھ نہیں ہے۔"

"السلام علیکم انکل۔ آپ دراصل ہمیں دیکھ رہے ہیں۔ فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"اور یہ دراصل کہاں سے ٹپک پڑا؟ خان رحمان کے بچے میں حیرت تھی۔

"کتنی بار تو روکا ہے انکل؟ خزانہ نے منہ بنایا۔

"کسے۔ کیا مجھے؟ وہ چونکے۔

"جی نہیں۔ فاروق کو۔ کہ بلاوجہ جھلے میں دراصل نہ گھسیڑ کرے۔"

"خیر۔ اب تو ایسا ہو گا۔ اب کیا ہو سکتا ہے۔ تو آج تم لوگوں کی دروازے پر ڈیوٹی ہے۔"

"صرف دروازے پر نہیں انکل۔" محمود مسکرایا۔

"تو پھر۔ مجھے تو تم لوگ صرف دروازے پر ہی نظر آ رہے ہو۔" انھوں نے صرف پر زور دیا۔

"تمام مہمانوں کے آجانے کے بعد دروازے بند کر کے ہم اندر بھی آ جائیں گے اور دعوت میں بھی شریک ہوں گے، بلکہ... انسپکٹر حمید کہتے کہتے رک گئے۔

"بلکہ نے تمہیں آگے بات کرنے سے روک دیا کیا؟ خان

رحمان مسکرایا۔

"محمود۔ تم اپنے انکل

"وہ پستول انہیں دے کر اندر کی طرف بڑھے ہی تھے
کہ انہوں نے ایک آواز سنی :

"ہائیں۔ یہ کیا۔"

"وہ چونک کر مڑے۔ پروفیسر داؤد اپنی کار سے اتر کر
ادھر آ رہے تھے :

"میرا مطلب ہے۔ یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں، تم مجھ سے
پہلے ہی یہاں پہنچ گئے۔ اور جشید تم بھی۔"

"مجھے اور ان تینوں کو تو خیر سب سے پہلے ہی یہاں آنا
تھا۔ ہماری تو ڈیوٹی لگی ہے نا یہاں۔"

"ڈیوٹی۔ کیا مطلب؟"

"لیکن اسکل۔ ڈیوٹی کا مطلب تو صرف ڈیوٹی ہی ہو سکتا

ہے۔ فاروق بولا۔

"ہاں ہاں جانتا ہوں۔ تبت۔ تو کیا تمہاری ڈیوٹی دروازے
پر لگائی گئی ہے۔ یہ۔ یہ بہت زیادتی ہے۔"

"نہیں پروفیسر صاحب۔ کوئی بات نہیں۔ زیادتی کسی۔

آخر میں حکومت کا ملازم ہوں۔ حکومت جہاں چاہے، مجھے
لگا سکتی ہے، میں اعتراض کرنے والا کون ہوں۔"

"بھئی۔ یہاں تو سب انپیکٹر بلکہ حوالدار وغیرہ کام

چل سکتا تھا۔"

یہ میرے پاس جمع کرا دیں اور شوق سے اندر چلے جاؤ۔"

"کیا کہا۔ یہ میں تمہارے پاس جمع کرا دوں۔ اور اگر
اندر گڑ بڑ ہو گئی تو؟"

"فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں، جب تمام سہان آ
جائیں گے تو ہم بھی دروازے بند کر کے اندر آ جائیں گے

اور ہمارے پاس ہمارے پستول ہوں گے۔ صرف ہمارے
پاس۔ اور پوری کوشش میں کسی کے پاس نہیں ہوں گے۔"

"یہ تم کس طرح کہہ سکتے ہو۔ سہانوں کی تلاشی تو خیر تم
لے لو گے۔ گھر کے افراد کا کیا کرو گے؟ خان رحمان کے

لبے میں حیرت تھی۔

"میں اتنا کچا نہیں۔ انپیکٹر جشید بولے۔

"یہ بات مجھے معلوم ہے۔ خان رحمان بولے۔

"تب پھر؟ وہ سوالیہ انداز میں بولے۔

"میں نے پوری کوشش کی تلاشی پہلے ہی لے لی ہے۔

اور گھر کے افراد کی بھی۔ اندر بھی کسی کے پاس کوئی پستول
دستور نہیں ہے۔"

"اوہ! اس صورت میں تو میں خوشی سے پستول جمع

کرا سکتا ہوں۔"

انگل خان رحمان بھی سن چکے ہیں۔

”دھت تیرے کی؟“ پروفیسر داؤد نے جھٹکا کر کہا۔

”جی کیا مطلب۔ یہ آپ نے میرا تھیکہ کلام کیوں چرایا؟“

”غلطی ہو گئی بھائی۔“ ماں وہ تلاشی کی بات ہو رہی تھی۔

پروفیسر داؤد نے کہا۔

”فادوق پروفیسر انگل کی تلاشی تو۔“

”یار کم از کم تم تو مجھے انگل نہ کہو۔ اب میں اتنا

بوڑھا بھی نہیں۔“

”میں نے انگل کا لفظ ان کے لیے بولا ہے۔“

”لیکن آخر تم ہماری تلاشی کیوں لو گے۔“

”اس لیے پروفیسر صاحب کہ یہ مجبور ہیں۔ وزیر خارجہ

صاحب کا حکم بھی یہی ہے۔“

”ہائیں! تو کیا انھوں نے تمہاری بھی تلاشی لی ہے؟“

پروفیسر بولے۔

”ہاں اور کیا۔“

”تو ٹھیک ہے۔ میں بھی تلاشی دے دیتا ہوں۔“

اب ان کی بھی تلاشی لی گئی اور ان کا پستول بھی لے لیا گیا۔

”آئیے پروفیسر صاحب چلیں۔“

”اند ایک خاص میٹنگ بھی ہونے والی ہے۔ میری ڈیوٹی دراصل اس وجہ سے لگائی گئی ہے کہ کوئی غیر ملکی ایجنٹ اس میٹنگ میں نخل ڈالنے کی کوشش نہ کرے۔“

”اوہ! اس کا مطلب ہے۔ یہاں جاسوسی چکر چلنے کے بھی امکانات ہیں۔“

”ہاں بالکل۔“

”اوہ۔ تب تو خیر ٹھیک ہے۔ ورنہ میں تو ابھی اند جا کر شیخ صاحب سے بات کرتا۔“

”جی نہیں! اس کی ضرورت نہیں۔ انسپٹر جمشید سکرانے۔“

”چلو بھئی! پھر خان رحمان۔ یہ بے چارے تو یہاں

ٹھہریں گے۔“

”ہم بھی اندر آئیں گے۔ فکر نہ کریں، لیکن آپ

ایسے نہیں جا سکتے۔“

”کیا مطلب۔ میں ایسے اندر نہیں جا سکتا۔ تو پھر کیسے

اندر جا سکتا ہوں؟ انھوں نے حیران ہو کر کہا۔

”آپ کو تلاشی دے کر جانا ہو گا۔“

”تت۔ تلاشی۔ ارے باپ رے۔ یہ میں کیا سن رہا

ہوں؟ انھوں نے بوکھلا کر کہا۔

”آپ وہی سن رہے ہیں انگل۔ جو تھوڑی دیر پہلے

اردو فیکٹر کے لیے pk7e@hotmail.com

اس کام پر مامور ہیں۔

”آپ کو یہ کام زیب نہیں دے رہا۔“

”تو انپکٹر جمشید کو کب زیب دے رہا ہے۔“

”وہ۔ وہ۔ م۔ میں۔ مہمان الگ کر رہا گیا۔ شاید اسے

کوئی جواب نہیں سوچ رہا تھا۔

”کوئی بات نہیں۔ آپ کی تلاشی ہو چکی۔ آپ چلیے۔“

مہمان ایک ایک کر کے اندر جاتے رہے۔ پھر شاید

کسی نے شیخ خالد ابراہیم صاحب سے یہ بات کر دی۔ وہ بوکھلائے

بوکھلائے باہر نکلے۔ خان رحمان اور پروفیسر داؤد کو تلاشی

پہنچے دیکھ کر دھک سے رہ گئے اور چلا کر بولے:

”یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔“

”تت۔ تلاشی۔“

”یہ آپ کا کام نہیں۔ اس کام کے لیے انپکٹر جمشید

کافی ہیں۔“

”اگر یہ کام ہمارا نہیں ہے تو انپکٹر جمشید کا بھی نہیں

ہے۔ پروفیسر داؤد نے منہ بنا کر کہا۔

”اں! میں جانتا ہوں، لیکن ایک مجبوری کے تحت انہیں

مقرر کیا گیا ہے، آپ خود سوچیں۔ لگ رہا ہے کسی چھوٹے پولیس

آفیسر کو مقرر کیا جاتا تو کیا وہ آپ لوگوں کی تلاشی نہ سکتا تھا

”ان کے بغیر اندر مزا نہیں آئے گا۔ ہم یہیں ٹھہرتے

ہیں بلکہ تلاشی لینے میں ان کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔“

”یہ۔ یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ آپ یہاں کھڑے ہو کر

مہمانوں کی تلاشی لیں گے۔ انپکٹر جمشید دھک سے رہ گئے۔

”کیوں! اس میں کیا حرج ہے۔ تم جو لے رہے ہو۔“

”میری تو ڈیوٹی ہے۔ سرکاری ملازم جو ہوا۔“

”اب جو بھی ہے۔ میں تم لوگوں کے بغیر اندر نہیں

جاؤں گا۔“

”تب پھر میں بھی جا کر کیا کروں گا۔ خان رحمان

مکراتے۔“

”حد ہو گئی یعنی کہ۔“ انپکٹر جمشید نے گڑ بڑا کر کہا۔

اتنے میں اور کئی مہمان آ گئے۔ ان کی تلاشی شروع ہوئی،

خان رحمان اور پروفیسر داؤد بھی تلاشی لینے کے لیے آ گئے، بڑے:

”ہائیں پروفیسر داؤد۔ یہ۔ یہ تو آپ ہیں۔ ایک مہمان

نے کہا۔“

”تو میں نے کب کہا ہے کہ میں پروفیسر داؤد نہیں ہوں۔“

وہ بولے۔

”اور یہ۔ آپ تلاشی لے رہے ہیں؟“

”ج۔ انپکٹر جمشید بھی

”خیر! میں چلتا ہوں۔“ شیخ خالد ابرار نے کہا اور اندر کی طرف مڑ گئے۔

”آپ نے شیخ صاحب کو ناراض کر دیا!“
”نکرو نہ کرو۔ اندر جا کر مٹالیں گے۔“

آدھ گھنٹے بعد تمام مہمان آچکے تھے۔ لہذا انھوں نے دروازے بند کر ڈالتے، دروازوں کو تالے لگواتے اور اندر کی طرف بڑھے۔ اچانک انھیں ٹھٹھک کر رک جانا پڑا، ان کی آنکھیں حیرت اور خوف سے چیل گئیں۔

جب کہ میرا خیال ہے، انپکٹر جمشید نے آپ کو بھی معاف نہیں کیا ہو گا۔

”بات ہے تو یہی۔“ پروفیسر داؤد مسکراتے۔

”ان حالات میں آپ اندر چلیے۔ یہ لوگ بھی جلد ہی اندر ہوں گے۔“

”جی۔ کیا فرمایا۔ ان۔ اندر ہوں گے۔“ فاروق نے گھبرا کر کہا۔

”م۔ میرا۔ میرا مطلب ہے۔ اندر آ جائیں گے۔ وہ مسکرا کر بولے۔

”نہیں شیخ صاحب۔ ہم اندر آئیں گے تو ان کے ساتھ۔“
”ورنہ نہیں۔“

”ا۔ لیکن لوگ کیا کہیں گے۔“

”لوگوں کا کیا ہے۔ وہ تو کہتے ہی رہتے ہیں۔“ خان سہان نے کہا۔

اچھی بات ہے۔ آپ کی مرضی۔ ویسے مجھے بہت شرم آ رہی ہے۔

”پروفیسر صاحب۔ اور خان رحمان۔ جناب شیخ صاحب بالکل ٹھیک کر رہے ہیں۔ آپ اندر چلیے۔ ہم بھی آتے ہیں۔“

اس کا کیا علاج ہے؟ اس پر میں نے ان سے کہا کہ پہلے ہم اندر کی تلاشی لیں گے۔ انھوں نے کوئی اعتراض نہ کیا۔
"لیکن آبا جان! ہو سکتا ہے، اس وقت ہم نے باڑھ کی طرف توجہ نہ دی ہو۔"

"میں نے توجہ دی تھی۔ اس وقت یہاں کچھ نہیں تھا اور اس بات پر تو میں پریشان ہوں کہ آخر یہ تار کون یہاں بچا گیا اور کس وقت بچا گیا؟"

"اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تیاری پہلے کر لی گئی تھی۔ تار وغیرہ کو کسی خاص جگہ چھپا کر رکھا گیا تھا، جہاں آپ کا خیال بھی نہ جاسکا۔ اور پھر موقع پا کر یہ کام کر دیا گیا۔" محمود جلدی جلدی بولا۔

"اس کا مطلب جانتے ہو۔" انکپٹر جمشید نے منہ بنایا۔
"جی مطلب۔ ہاں۔ اس کا مطلب ہے۔ گھر کے اندر کوئی غلط آدمی موجود ہے۔"

"بالکل ٹھیک۔ اور اگر ایسا ہے تو یہ بہت خطرناک بات ہے۔"

"فی الحال تو اس تار کا کچھ کرنا چاہیے۔" پروفیسر دادو نے گجرا کر کہا۔

"ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے۔" دادو ق جیب سے کٹر نکالنا۔

تار کا تعاقب

کوٹھی کے صدر دروازے سے داخل ہوتے ہی ان کی نظریں دائیں طرف لگی باڑھ پر پڑی تھیں۔ باڑھ میں سے چھپا کر بجلی کی ایک موٹی تار آگے لے جاتی گئی تھی۔ تار سبز رنگ کی تھی، اس لیے اس کا دیکھ لیا جانا آسان کام نہیں تھا، یہ تو وہ تھے، جنھوں نے تار کو دیکھ لیا تھا۔
"ارے باپ ارے۔ ہماری تلاشی تو بے کار گئی۔" انکپٹر جمشید نے بوکھلا کر کہا۔

"کیوں! اس میں تلاشی کا کیا قصور؟" پروفیسر دادو چونکے۔
"ہم نے پہلے اندر کی تلاشی لی تھی، پھر باہر دروازے پر کھڑے ہوئے تھے۔ تاکہ پوری طرح اطمینان ہو سکے۔ دراصل میں نے سوچا تھا۔ اگر کوئی شخص تلاشی سے پہلے ہی اندر کوئی کام رکھا جاتے تو الزام مجھ پر آئے گا۔ یہ سب باتیں تو انھوں نے سوچا۔ پھر

”یہ تم اُس وقت کی وجہ سے کانپ رہی ہو یا اس وقت کی وجہ سے؟“ طارق نے جھٹکا کر کہا۔

میں سوچ رہی ہوں کہ کہیں بالکل اسی قسم کے حالات نہ پیش آجائیں۔

”جہاں تک مجھے یاد ہے۔ اُس وقت صورتِ عالی یہ تھی کہ ہم اس کمرے میں کہیں رکھ دیا گیا تھا اور ہمیں اسے تلاش کرنا تھا، جب کہ اس وقت معاملہ یہ نہیں۔ آج کل ہموں کے ساتھ تار باندھنے کی ضرورت نہیں۔ اب تو ٹائم بم عام مل جاتے ہیں۔“

”تب پھر تھارے خیال میں یہ کیا ہے؟“
”یہ تو وہاں چل کر ہی پتا چل سکے گا۔“

تار باڑے کے ساتھ ہوتی ہوئی ایک کوارٹر تک پہنچ گئی۔ اس کوارٹر کی دیوار میں برص سے سوراخ کر کے تار کو باہر نکالا گیا تھا۔

”وہ کوادرٹر تو مل گیا۔ محمود نے پُر خوش آواز میں کہا۔
وہ کوادرٹر کے دروازے پر آئے اور یہ دیکھ کر حیران
رو گئے کہ اس پر تالا لگا ہوا تھا۔“

”اس کا مطلب ہے۔ اندر کوئی نہیں ہے۔“ فرزانہ نے کہا۔

فادوق نے کوشش کر کے کٹر فوراً ہی نکال دیا۔
انہوں نے ہمارے کوسٹ دیا۔

اب ایک طرف ہم جاتے ہیں۔ یعنی بڑی پارٹی۔ اور دوسری طرف تم جاؤ۔ انیکٹر جمشید بولے۔
جی ہنسی

بڑی پارٹی تار کو دیکھتے ہوئے گوشے کے اندر کی طرف چل پڑی۔ جب کہ چھوٹی پارٹی نے دوسری طرف کا رخ لیا۔ جلد ہی انھوں نے جان لیا کہ تار سرونٹ کو آرٹرز کی طرف جا رہی ہے۔

میرا خیال ہے۔ اس سار کی ابتدا کسی کوارٹر سے کی گئی ہے۔ لہذا ہمارا کام آسان ثابت ہو گا۔ غاروق بولا۔ بات آسان اور مشکل کی نہیں۔ سازش کو پکڑنے کی ہے، حیرت کی بات ہے۔ وزیر خارجہ کے اپنے گھر میں کوئی غدار موجود ہے اور اس قدر اہم پارٹی دی جا رہی ہے محمود نے الجھن کے عالم میں کہا۔

ابن کے نام میں لکھا۔
 اللہ اپنا رحم فرماتے۔ مجھے۔ وہ کہیں یاد آنا ہے۔ عہد
 میں ہم والا۔ جب میں اس کمرے کے نیچے ہم رکھ دیا گیا تھا،
 جس میں سہان صدر موجود تھے۔ اور ہم اس کمرے تک پہنچ
 اردو فیز کے لکھنے والے نے کائناتی آواز میں کہا۔
 pk7e@hotmail.

سکتا چلا گئی :

پروفیسر اکمل زندہ باد۔ کیا چاقو بنایا ہے۔ "محمود نے خوش ہو کر کہا۔

”پہلے اندھ کی خبر لے دو۔“

تینوں اندر داخل ہوئے اور دھک سے رہ گئے۔
انہیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔



انپیکر، حمید ان دونوں کے ساتھ تار کو دیکھتے ہوئے آگے بڑھتے چلے گئے، لیکن وہ اس انداز سے دیکھ رہے تھے کہ دوسرے کوئی خاص بات محسوس نہ کر سکیں۔ اور یہ خیال کریں کہ وہ ٹھل رہے ہیں۔

باڑہ ایک دیوار کے ساتھ ختم ہو گئی۔ دیوار میں برے کے ذریعے کیا گیا سوراخ نظر آیا اور تار اس سوراخ میں باقی نظر آئی؛

بھئی واہ! بہت پختہ انتظام کیا گیا ہے۔ الیکٹرک میٹرو نے کہا۔

”لیکن یہ انتظام ہے کیا۔ کوٹھی کو ہم سے اٹانے کا

” فاروق مہربانی فرما کر ذرا جلدی سے ماسٹر چابی نکالو۔“

”اچھی بات ہے۔“

دوسری ہی کوشش میں اس نے چابی نکال دی۔
آج فاروق پھرتی دکھانے پر بری طرح مجبور تھا، ورنہ
ایسے موقعوں پر پہلے کئی دوسری چیزیں اس کی جیب
سے برآمد ہوتی تھیں۔

”شکریہ ہے۔ آج تم نے وقت ضائع نہیں کیا۔ محمود نے جابی تالے میں گھماتے ہوئے کہا۔

لیکن تم نے یہ مجھ کو کمر وقت ضرور ضائع کیا ہے۔
بالکل نہیں۔ میں تارے کے سوراخ میں چابی پھنسی ہی
داخل کر چکا تھا۔ اس نے بھی فوراً کہا۔

’ اچھا اچھا۔ یہ لڑنے کا وقت نہیں۔‘ فرزانہ نے بے تابانہ انداز میں کہا۔

محمود نے اپنی پوری کوشش کر ڈالی، لیکن تالا نہ کھلا، یہ کوئی بہت ہی پرانے زمانے کا تالا تھا۔ اور اس قدر جدید گھرانے کے سرورٹ کوادرٹر پر دیکھ کر انھیں حیرت مچتی ہوئی تھی، لیکن یہ وقت زیادہ حیرت میں جانے کا بھی نہیں تھا۔ لہذا محمود نے آؤد کھانہ تالاؤں جوتے کی

اردو فیکٹر کے لئے کنڈی پر چلا دیا۔ لودا pk7e@hotmail.com

"اس کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ہم یہ بات شیخ خالد ابرار کے علم میں لے آئیں۔ اگرچہ پہلے میرا پروگرام یہ نہیں تھا۔ میں خاموش رہ کر جائزہ لینا چاہتا تھا اور اس حرکت کے مجرموں پر نہایت خاموشی سے ہاتھ ڈال دیتا۔"

"یہ کوشش تو جمید اب بھی کی جاسکتی ہے۔" خان رحمان نے کہا۔

"اوہ ہاں! ہم شیخ صاحب سے کہہ سکتے ہیں کہ ابھی اس معاملے کا کسی کو پتا نہ چلے۔"

"میں انہیں یہیں لے آتا ہوں۔" خان رحمان نے کہا اور لمبے لمبے قدم اٹھاتے چلے گئے۔

"تین منٹ بعد وہ شیخ صاحب کے ساتھ آتے نظر آئے، ان کے چہرے پر قدرے الجھن تھی،

"خیر تو ہے، آپ حضرات مجھے یہاں کس لیے لائے ہیں، آپ فکر مند بھی نظر آ رہے ہیں؟"

"جی ہاں! ہمیں فکر مند نظر آنا بھی چاہیے۔ آپ جانتے ہی ہیں۔ دو گھنٹے پہلے۔ میرا مطلب ہے مہافوں کی آمد سے دو گھنٹے پہلے ہم نے کوشی کے چتے چنے کی تلاشی لی تھی۔ تاکہ ہماری آمد سے پہلے ہی اگر کوشی کے اندر کوئی گڑبڑ کر

تو ہو نہیں سکتا۔" خان رحمان بولے۔

"ابھی معلوم ہو جاتا ہے۔" انہوں نے پرجوش انداز میں کہا۔

"یہ صرف بینک میں ہونے والی گفت گوئیوں کا انتظام ہے۔" پروفیسر دادو بڑبڑائے۔

"بالکل ٹھیک! میرا بھی یہی خیال ہے۔" انیکٹر جمید نے فوراً کہا۔

"تار کا تعاقب کرتے ہوئے آخر وہ اس بل تک پہنچ گئے جس میں اجلاس ہونا تھا، لیکن یہاں اس تار کا نام و نشان تک نہیں تھا۔"

"یہ کیا بات ہوئی بھی؟" پروفیسر دادو حیرت زدہ انداز میں بولے۔

"آئیے، پھر باہر چل کر دیکھتے ہیں۔" انیکٹر جمید بھی چکر کھا گئے۔

"تینوں بل سے نکل کر اس جگہ آئے جہاں تار بل کی دیوار میں داخل ہوتا نظر آیا تھا۔ انیکٹر جمید نے تار کو کھینچ کر دیکھا، لیکن وہ دوسری طرف کسی چیز میں چسپاں لگ گیا تھا۔

"ہاں راز نہیں ہے، لیکن میٹنگ میں جو کچھ ملے ہو گا۔ اس کو بالکل خفیہ رکھا جائے گا۔"

"لیکن دشمن نے اس بات کا انتظام کر لیا ہے کہ اس کو خفیہ نہ رہنے دے۔ انسپکٹر جمشید ٹھہری ہوئی آواز میں بولے۔
"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ۔ اس گفت گو کو سننے کے مکمل انتظامات کیے جا چکے تھے۔ اگر ہماری نظر نہ پڑتی تو یہ کارروائی راز نہ رہ جاتی۔"

"لگ۔ کیسے انتظامات؟ وہ بولکلا اٹھے۔

"آئیے۔ انھوں نے کہا اود پھر تار کی طرف بڑھے۔
جونہی شیخ خالد ابراہ کی نظر اس تار پر پڑی وہ دھک سے رہ گئے۔

"یہ۔ یہ کیا؟"

"اس تار کا سلسلہ ہال سے لے کر شاید سرونٹ کوارٹرز تک چلا گیا ہے۔"

"سرونٹ کوارٹرز؟ ان کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

"ہاں اسرونٹ کوارٹرز۔ لیکن اس سے پہلے کہ ہم آپ کو

اس طرف لے چلیں۔ آپ یہ فرمائیں۔ کیا اس ہال کی دیواریں

دھری ہیں؟

دی گئی ہے تو اس کا سراغ لگایا جائے۔ ورنہ تلاشی لینے کا کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا تھا۔"

"ہاں ایہ ٹھیک ہے۔ تو پھر کیا کوئی گڑبڑ ہو گئی؟"

"اس کے بعد ہم نے دروازے پر کھڑے رہ کر ہر مہمان کی تلاشی لی، یہاں تک کہ ہم نے اپنے ان دونوں دوستوں کو بھی تلاشی کے بغیر اندر داخل نہیں ہونے دیا، کیونکہ آپ کا حکم یہی تھا کہ تلاشی کے بغیر کوئی داخل نہ ہو۔ میں جانتا تھا کہ ان کی تلاشی لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، پھر بھی جمع نے ایسا کیا۔ انسپکٹر جمشید کہتے چلے گئے۔

"تو کیا کسی مہمان نے تلاشی لینے پر اعتراض کیا ہے؟ اگر ایسا ہے تو میں ان سے بات کر رہا ہوں۔"

"جی نہیں۔ بات اس سے کہیں زیادہ سنگین ہے۔

لیکن پہلے آپ یہ بتائیں۔ آج جو اہم ترین میٹنگ آپ دعوت کے بہانے کر رہے ہیں، اس کے بارے میں کس کس شخص کو علم ہے؟"

"مگر کے تمام افراد کو علم ہے۔ ملازمین کو بھی علم ہے۔

ان کے علاوہ جو لوگ اس میٹنگ میں شریک ہو رہے ہیں، انہیں بھی علم ہے۔"

"دہری۔ نن۔ نہیں۔ بالکل نہیں۔ وہ ہکلائے۔

"تب پھر یہ بات عجیب ترین کھلائے گی۔

"کیا مطلب؟

"دیکھیے۔ ہال کی دیوار میں یہاں ایک سوراخ ہے۔

یہ تار اس سوراخ میں داخل ہو رہی ہے، لیکن ہال کے اندر تار کہیں بھی نکلتی نظر نہیں آ رہی۔

"اُف مالک۔ یہ۔ یہ کیا۔ وہ گھبرا گئے۔

"پریشان نہ ہوں۔ اب میٹنگ میں ہونے والی گفتگو

نہیں سنی جا سکے گی۔ اس ہال کا جائزہ تو اب پروگرام ختم ہونے اور مہمانوں کے رخصت ہونے کے بعد ہی لیا جا سکے گا۔

"میں بہت پریشان ہو گیا ہوں۔

"اگر اس تار پر ہماری نظریں میٹنگ ہو جانے کے

بعد پڑتیں، اس وقت ضرور پریشانی کی بات تھی، اب نہیں۔

"ہوں آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ وہ مسکرا دیے، لیکن اب

بھی یہ مسکراہٹ جان دار نہیں تھی۔

"اب اگر آپ سرونٹ کوارٹر تک جا کر دیکھنا پسند

کرتے ہیں۔ تو چلیے۔"

"نہیں! آک اس معاملے کو دیکھ لیں۔ میں مہمانوں

سے زیادہ دیر الگ نہیں رہ سکتا۔ وہ اس بات کو بہت محسوس کریں گے۔

"او کے سر۔ آپ جائیں۔ ہم دیکھ لیں گے اور تفصیلات بعد میں آپ کو سنا دیں گے۔"

"بالکل ٹھیک۔ میں یہ اطمینان لے کر جا رہا ہوں کہ اب کوئی شخص ہال میں ہونے والی گفتگو کا ایک لفظ بھی نہیں سن سکے گا۔ وہ بولے۔

"ان شاء اللہ! ایسا ہی ہوگا۔"

ان کے جانے کے بعد انکسٹر جمشید نے تار کو ایک زور وار جھٹکا دیا۔ اور وہ باہر نکل آیا۔

"یہ اندر کسی چیز میں پھنسا یا گیا تھا۔ سب سے زیادہ حیرت مجھے اس بات پر رہے کہ کوٹھی کے اندر وہ کون ہے، جو یہ لمبا چوڑا کام چپ چاپتے کرنے میں کامیاب ہو گیا، اسے کسی نے دیکھا تک نہیں۔"

"واقعی! یہ بات بہت عجیب ہے۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"آئیے اب دوسری طرف چلیں۔ محمود، فاروق اور فرزاد

اب تک لوٹ کر نہیں آئے۔ شاید انہوں نے بھی سرونٹ

کوارٹر میں خاص چیز دیکھی ہے۔"

"بھئی خاص چیز کیا ہوگی۔ گفتگو سننے کے آلات ہی

ہوں گے نا اور بس۔

”اور سننے والا بچہ خان رحمان ہوئے۔

”شاید انہیں دہاں کوئی نہیں ملا ہو گا، اس لیے کہ ابھی میٹنگ کا وقت نہیں ہوا۔

وہ سرونٹ کوارٹرز تک آئے اور پھر تار کو دیکھتے

ہوئے کوارٹر نمبر تین کے اندر داخل ہوئے، لیکن محمود،

فاروق اور فرزادہ کا کوئی پتا نہ تھا۔

جھٹکا

کمرے میں گفٹ گوز ریکارڈ کرنے کے خود کار آلات
موجود تھے۔ یعنی جونہی مال میں گفٹ گوز شروع ہوتی،
آلات خود بخود حرکت میں آ جاتے اور گفٹ گوز ریکارڈ ہونے
لگتی۔

”یہاں کوئی نہیں ہے۔“ محمود بڑبڑایا۔

”کسی کی یہاں ضرورت بھی تو نہیں ہے۔ اپنا کام مکمل کر کے

وہ جا چکا ہے۔ اب کوٹھی میں مصروف ہو گا۔

”ہاں! اسے فوری طور پر گرفتار کرنا چاہیے۔“

”لیکن اس طرح مہمانوں میں بے چینی پھیلے گی۔ اب

وہ گفٹ گوز تو ریکارڈ کر نہیں سکے گا۔ تو کیوں نہ فی الحال

اس کی گرفتاری عمل میں نہ لائی جائے۔“ فرزادہ نے تجویز

پیش کی۔

”میرا خیال ہے۔ یہ تجویز معقول ہے۔“ فاروق نے سر ہلایا۔

-42

• سوال یہ ہے کہ ہم بے ہوش کیوں ہو گئے تھے ؟
 • کواٹر میں کوئی زہریلی گیس پھیلی ہوئی تھی۔ فرزانہ بولی۔
 • پھیلی ہوئی نہیں تھی ، پھیلائی گئی تھی۔ ہمارے استقبال
 کے لیے فاروق نے منہ بنایا۔

”یہ بھی ہو سکتا ہے۔ اس کا مطلب ہے۔ ہمیں بے ہوش کرنے کے بعد یہاں لایا گیا ہے، لیکن کیوں؟ محمود نے کہا۔“

”بھئی۔ سیدھی سی بات ہے۔ ہم نے ان کے آلات کو بے کار کیا۔ اب وہ انتقاماً ہمارے آلات بے کار کریں گے۔“ فاروق نے مسکرا کر کہا۔

”ہمارے آلات۔ کیا مطلب؟“ فرزانہ نے اسے گھورا۔
 ”مدد ہو گئی۔ اتنی سی بات نہیں سمجھ سکیں۔ ہونا کوڑ
 مغز۔ میرا مطلب ہے۔ ہمارے احمق پر۔“

”یہ بات نہیں۔ میں کچھ اور سوچ رہی ہوں۔“
 ”یہ تمہاری پرانی عادت ہے۔ ہمیشہ کچھ اور سوچنے لگتی
 ہو۔ فاروق نے جل کر کہا۔“

”بھئی پہلے سن تو لو۔ یہ کیا کچھ اور سوچ رہی ہے محمود
سکرا دیا۔“

”خیر یونہی سہی۔ فی الحال ہم ان آلات کو بے کار کر دیتے ہیں“

آنھوں نے ان کے تہار اکھاڑ دیے ، لیکن آف کر دیے اور باہر نکل آئے۔

”جب میٹنگ شروع ہوگی تو ہم ایک چکر اور یہاں لگا
 یں گے۔ محمود نے کہا۔
 ”یہ ٹھیک رہے گا۔“

وہ باہر نکلے ہی تھے کہ ٹھک ٹھک کی مدھم گاد سنائی دی۔ ان کے کان کھڑے ہو گئے۔ قدم خود بخود آواز کی طرف اٹھنے لگے۔ ایک کوارٹر کے سامنے ان کے اٹھتے قدم رک گئے۔ ٹھک ٹھک کی مسلسل آواز اس کوارٹر سے آ رہی تھی۔ انھوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر دروازے پر دباؤ ڈالا، دروازہ کھلتا چلا گیا۔ وہ بے دھڑک اندر داخل ہو گئے، لیکن یہی ان کی غلطی تھی۔

انہیں ایک زور دار جکڑ آیا اور گرتے چلے گئے۔ پھر انہیں کوئی ہوش نہ رہا۔ ہوش آیا تو وہ ایک چوٹے سے کمرے میں تھے۔

”یہ۔۔ یہ ہم کہاں پہنچ گئے۔ یہ وہ کواڈٹر تو ہرگز نہیں

”یہ کیا۔ میں تو بل بل بھی نہیں سکتا۔“

”اس زہریلی میس کا اثر باقی ہے۔ لہذا صرف سوچنے کا کام کرتے رہو۔“ خندانہ مسکرائی۔

”تو تم پہلے ہی اٹھنے کی کوشش کر چکی ہو؟“

”ہاں! مجھے تم سے پہلے ہوش آیا تھا۔“

اب اُنھوں نے آنکھیں گھما کر کمرے کا جائزہ لیا۔ کم از کم وہ آنکھوں کو حرکت دے سکتے تھے۔ اور زبان کو بھی۔

”حیرت ہے۔ اس کمرے میں تو کوئی دروازہ ہے ناکھڑکی، ہوا کی آمد و رفت کیسے ہو رہی ہے۔“ محمود بڑبڑایا۔

”شاید ہوا آہی نہ رہی ہو۔ آکسیجن آہستہ آہستہ ختم ہو رہی ہو اور جلد ہی یہ کمرہ ہمارا مقبرہ بننے والا ہو۔“

”ارے باپ ارے۔ یہ خیال تو کافی ہولناک ہے۔“ فاروق نے گہرا کر کہا۔

”لیکن یہ خیال درست نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ اگر ہمیں مارنا ہوتا تو بے ہوش کرنے کے بعد ہی ٹھکانے لگا دیا جاتا۔ اور مار کر یہاں لا پھینکتے۔“ محمود نے کہا۔

”ہاں بالکل۔ کمرے میں گھٹن نام کی کوئی چیز محسوس بھی نہیں ہو رہی۔“

”کمال کرتے ہو۔ جہلا میں اس کی سوچ کی آواز کس طرح سن سکتا ہوں۔ میرے کان اب اتنے تیز بھی نہیں جتنے کہ اس کے ہیں۔“

”لیکن وہ تو منہ سے بتائے گی۔“ محمود نے جل کر کہا۔

”اور اب تو ٹھیک ہے۔“

”ایک تو تم وقت بہت ضائع کرتے ہو۔ میں یہ کنا چاہتی ہوں کہ ہم آلات بے کار کر کے جا رہے تھے، پھر آخر ٹھک ٹھک کر کے ہمیں اس طرف کیوں متوجہ کیا گیا۔ ہمیں بے ہوش کر کے یہاں لا کر قید کرنے کی ان لوگوں کو کیا ضرورت پڑ گئی تھی؟“

”یہ تو وہی بتا سکتے ہیں۔ میں کس طرح بتاؤں۔“ فاروق نے جھٹکا کر کہا۔

”میں تم سے پوچھ نہیں رہی۔ اس سوال کا جواب خود تلاش کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔“

”ضرور تلاش کرو اور جب جواب مل جائے تو ہمیں بھی بتا دیتا۔“

”کیا اس سے یہ بہتر نہیں رہے گا کہ ہم یہاں سے نکلنے کی کوشش کریں۔“ محمود نے کہا اور اٹھنے کی کوشش کی۔

کو حرکت دے سکتے تھے، وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ اگرچہ کمزوری ابھی باقی تھی، لیکن بہر حال چلنے پھرنے کے قابل تو ہو ہی گئے تھے۔ انھوں نے کمرے کی دیواروں کا جائزہ لینا شروع کیا۔ ان کو تھپک تھپک کر دیکھا، لیکن کہیں کسی دروازے کے آثار نظر نہیں آتے۔ اب تو وہ اور بھی حیران ہوئے۔

”حیرت ہے۔ آخر ہوا کہاں سے آ جا رہی ہے؟“
اب انھوں نے کمرے کی چھت کی طرف دیکھا۔ چھت میں انھیں نہایت باریک باریک سوراخ نظر آتے۔

”شاید ہوا ان سوراخوں سے خارج ہو رہی ہے، لیکن نازہ ہوا کے اندر داخل ہونے کا رस्ता بھی تو کوئی ہونا چاہیے۔“
انھوں نے ایک بار پھر دیواروں کو غور سے دیکھنا شروع کیا۔ اس مرتبہ سمروں سے اوپر کے حصے کا جائزہ لیا گیا اور پھر انھیں آٹھ منے دو دیواروں میں باریک جالیاں سی گئی نظر آ گئیں۔ غور سے دیکھے بغیر یہ نظر آ ہی نہیں سکتی تھیں۔

”چلو ایک اطمینان تو ہوا۔ کمرے میں ہوا کی آمد و رفت کا معقول انتظام ہے۔ اب میں یہ بات یقین سے کر سکتا ہوں کہ کوئی نہ کوئی دروازہ بھی ضرور موجود ہے۔“

”وہ تو صاف ظاہر ہے۔ دروازہ نہ ہوتا تو ہمیں

”ویسے یہ لوگ ہیں عقل سے بالکل پیدل۔ ابھی بڑی پارٹی ادھر آئے گی اور ہمیں باہر نکال لے گی۔“ محمود بولا۔
”میں ایسا نہیں سمجھتی۔ یہ کام نہایت پُر انداز طریقے پر ہو رہا ہے۔ شاید وہ تار گفت گو سننے کے لیے نہیں۔ ہمیں چھانسنے کے لیے تھا۔“

”صرف ہمیں چھانسنے کے لیے کوئی خاص فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے۔“

”انھیں کیا معلوم تھا کہ آبا جان ہمدرد ساتھ ادھر نہیں آئیں گے۔ انھوں نے تو جال ہم سب کے لیے بچھایا تھا۔“
”میرا دل نہیں مانتا۔ کہ یہ سارا جکڑ صرف ہمیں چھانسنے کے لیے تھا۔ بلکہ میرا خیال ہے۔ جب انھوں نے دیکھا کہ سازش پکڑی گئی تو انھوں نے یہ چال چلی۔“
”اس بات کا بھی امکان ہے۔ نہ جانے کب ہمارے جسم حرکت کرنے کے قابل ہوں گے۔“

”قابل ہو بھی گئے تو کیا ہے۔ ہم اس کمرے میں کوئی دروازہ تلاش نہیں کر سکیں گے۔“ فرزانہ نے کہا۔
”اللہ اپنا رحم فرماتے۔“ فاروق نے گھبرا کر کہا اور فرزانہ کو گھورا بھی۔

اردو فیکٹر کے لیے کیا۔ اب وہ چھوٹے pk7e@hotmail.com

نے سکرا کر کہا۔

"لیکن وہ ہیں کہاں؟"

"کم از کم جمیدہ وہ اس کمرے میں نہیں ہیں" پروفیسر دادو

جلدی سے بولے۔

"جی ہاں! اور باہر بھی وہ ہمیں نہیں ملے۔"

"خیر چھوڑیں ہوں گے، ادھر ادھر۔ اس سائش کے بارے

میں کچھ معلوم کرنے کی کوشش کر رہے ہوں گے۔ ان کے

بارے میں اتنا فکرمند ہونے کی ضرورت بھی نہیں۔"

میں اس وقت گھنٹی بجنے لگی۔ یہ گھنٹی اشارہ تھا اس

بات کا کہ پارٹی شروع ہو رہی ہے۔ سب لوگ باغ میں

پہنچ جاتیں۔

ان کے قدم بھی اس سمت میں اٹھنے لگے۔ باغ میں

پہنچ کر انھوں نے ادھر ادھر نظریں دوڑائیں، لیکن محمود، فاروق

اور فرزاد یہاں بھی نظر نہ آئے۔

"بھئی ہو سکتا ہے۔ وہ کوٹھی سے باہر چلے گئے ہوں۔"

کسی فوری ضرورت کے تحت۔

"یہی تو مشکل ہے" انپکٹر جمیدہ سکرائے۔

"کیا مطلب۔ شکل کیسی؟"

"میرے علم میں لائے بغیر تو خود میزبان۔ یعنی شیخ

اندر کس طرح لایا جاتا۔"

"آبا جان اب تک نہیں پہنچے۔ حالانکہ کافی دیر ہو

چکی ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔ ابھی وہ اس طرف آہی نہ سکے

ہوں۔ دوسری طرف انھیں بھی عجیب و غریب حالات کا

سامنا کرنا پڑ گیا ہو۔"

"ہوں! اس کا بھی امکان ہے، لیکن بہر حال وہ جلدی

تلاش میں نکلیں گے۔"

میں اس وقت انھوں نے قدموں کی آواز سنی۔ دوسرے

لحے ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔



"یہ آلات دیکھ رہے ہیں آپ؟ انپکٹر جمیدہ بولے۔

"ہاں! ہاں میں ہونے والی گفت گو کو ریکارڈ کرنے

کا مکمل انتظام کیا گیا ہے۔"

"اور یہ تار وغیرہ شاید محمود، فاروق اور فرزاد نے

اکھاڑے ہیں۔"

صاحب بھی نہیں جا سکتے۔

”کیا مطلب؟“ خان رحمان اور پروفیسر دادو ایک ساتھ بولے۔
”تمام راستے بند ہیں۔ اندر سے تالے لگا دیے گئے ہیں اور ان کی چابیاں میرے پاس ہیں۔ دروازے اب پارٹی ختم ہونے پر ہی کھلیں گے۔ جب یہ المینان ہو جائے گا کہ کسی قسم کی کوئی گڑبڑ نہیں ہوتی۔“

”تو کیا یہاں گڑبڑ کا پہلے ہی امکان تھا۔ جو اتنے زبردست انتظامات کیے گئے؟“ خان رحمان کے بچے میں حیرت تھی۔

”ایسی کوئی بات نہیں۔ بات صرف یہ ہے کہ اجلاس چونکہ بہت خفیہ ہے۔ اس لیے شیخ صاحب ہر قسم کی احتیاط چاہتے تھے۔ اور جب انھوں نے یہ ذمہ داری مجھ پر ڈال دی تو پھر میں کوئی کسر کس طرح چھوڑ سکتا تھا۔ میں نے کسی گڑبڑ کے دور دور تک امکانات نہیں چھوڑے۔“

”لیکن جمشید گڑبڑ تو پھر بھی ہو گئی۔ دیکھو نا۔ گفت گو سننے کے لیے لمبا چوڑا انتظام کر ڈالا گیا۔“

”ہاں! مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ شیخ صاحب نے آستین میں کچھ سانپ بھی پال رکھے ہیں۔ اگر یہ بات معلوم ہوتی تو پھر ہم چاروں دروازے پر تلاشی نہ لے رہے ہوتے۔ ہم

اکرام کی خدمات حاصل کرتا۔“

”ہوں۔ بات ٹھیک ہے۔ اور آستین کے سانپ اس وقت بھی کوشی میں موجود ہیں۔“ خان رحمان بولے۔

”ہاں! اور شاید محمود، فاروق اور فرزانہ ان کے پیچھے ہیں۔ تبھی ہمیں نظر نہیں آ رہے۔“

”کم از کم ہمیں اب ایک المینان تو ہے نا جمشید۔“ پروفیسر دادو بولے۔

”دو کون سا پروفیسر صاحب؟“

”یہ کہ اب اجلاس میں ہونے والی کارروائی سنی نہیں جا سکے گی۔“

”ابھی اس بارے میں بھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ہو سکتا ہے، ان لوگوں نے کوئی اور انتظام بھی کر رکھا ہو۔“

”اور! تب پھر پہلے یہ جائزہ لے لینا چاہیے کہ کچھ اور انتظام تو نہیں کر رکھا۔“ پروفیسر دادو گہرا کر بولے۔

”جی ہاں! لیکن اس کے لیے آپ کو اپنے آلات لانا ہوں گے۔“

”میں ابھی لے آتا ہوں۔“

”خان رحمان! تم ان کے ساتھ جاؤ۔“

”کیوں! اس کی کیا ضرورت ہے۔“ پروفیسر دادو چونکے۔

دیوار میں سوراخ

انہیں کمرے میں اب بھی کوئی دروازہ نظر نہیں آیا۔
 تھا، لیکن اس کے باوجود اس وقت کمرے میں ان کے سامنے
 ایک شخص موجود تھا۔ وہ حیران نہ ہوتے تو کیا کرتے :
 "خیر تو ہے بھئی ! بہت پریشان ہو :
 "آپ اندر کس طرح آئے ؟ محمود بولا۔
 "جس طرح تم لوگ آئے : وہ ہنسا۔
 "اور ہم کس طرح آئے ؟ فاروق نے بٹکا کر کہا۔
 "جس طرح میں آیا : وہ پھر ہنسا۔
 "عد ہو گئی : فاروق تھلا اٹھا۔
 "ہو گئی ہو گی، لیکن یہ بات میرے علم میں نہیں : اس
 نے کندھے اچکاتے۔

"کون سی بات ؟ محمود پھاڑ کھانے والے انداز میں بولا۔

"محمود عد ہو جانے والا : وہ مسکرایا۔

"راستے میں بھی احتیاط کی ضرورت ہے۔ میں محسوس کر
 رہا ہوں، اس ساندش کے تانے بانے دور تک پھیلے ہوتے ہیں :
 "ہوں ! ٹھیک ہے۔ ہم دونوں جا کر آلات لے آتے ہیں :
 "کیوں نہ کسی کو بھیج کر آلات منگوا لیے جائیں : خان رحمان نے
 تجویز پیش کی۔

"اس میں دیر لگ جائے گی : پروفیسر داؤد جلدی سے بول
 پڑے اور پھر دروازے کی طرف مڑ گئے، خان رحمان نے بھی
 ان کا ساتھ دیا۔

ان کے جانے کے بعد انسپٹر جمشید اس ہال میں داخل
 ہوتے جس میں اجلاس ہونا تھا، وہ اس کے ایک ایک کونے
 کا جائزہ لینے لگے۔ اچانک انہیں ایک زوردار جھٹکا لگا۔ منہ
 مارے حیرت کے کھل گیا۔

"مطلب یہ کہ کس بات کو دیر ہو جائے گی؟
 "پھر تم کچھ بھی نہیں کر سکو گے۔ باس آنے والے ہیں۔
 "ادھر باس آئے، ادھر کچھ کرنے کا موسم ختم۔"
 "گویا یہاں کے موسم باس کے آنے سے بدلے
 ہیں۔" فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔
 "اچھا جلد کہا۔ طبیعت خوش ہو گئی۔"

"اچھا تو مشر۔ جو نام بھی ہے تمہارا۔ ہم اپنی کوشش
 کریں گے۔" محمود نے غرا کر کہا۔
 "ضرور ضرور۔ بہت خوشی سے۔" اس نے خوش ہو کر کہا۔
 "ترکیب نمبر ۱۲۔" محمود بولا۔

وہ تین سمت میں ہو گئے اور ایک ساتھ اس پر
 ہوئے، اب تک ان کے جسموں میں کچھ جان آ گئی تھی۔
 تاہم کمزوری اب بھی محسوس کر رہے تھے۔ سب سے
 محمود نے سر کی ٹیکہ اس کے پیٹ میں دے مارنے
 کوشش کی، وہ بہت تیزی سے جھکا اور محمود کی کمر پر
 دھبہ دسید کر دیا، وہ منہ کے بل گرا۔ شاید کمزوری
 بہت تھی۔ یہ دیکھ کر فاروق حرکت میں آیا اور پیچھے
 اس کی کمر پر ٹک کر دے ماری۔ یہ ٹکرا سے ہلا گئی،
 وہ ابھی سنبھل نہیں پایا تھا، تاہم یہ اس قدر زور

"محمود۔ خیال کرو۔ یہ حضرت شاید خود کو غصہ دلانے کا
 بہت بڑا ماہر خیال کرتے ہیں۔"
 "اوہ! ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔
 "جی واہ! یہ لڑکی شاید بہت عقل مند ہے، لیکن میرا
 خیال ہے، میں اسے بھی غصہ دلا سکتا ہوں۔"
 "اگر آپ ہمیں صرف غصہ دلانے آئے ہیں تو ہم دیے
 ہی غصے ہو جاتے ہیں۔"

"ایسے کیا مزا آئے گا۔ اس نے مکر کر کہا۔
 "اچھا بھائی، جیسے تمہیں مزا آنے کا امکان ہے، ویسے
 کرو۔" فاروق نے تنگ آ کر کہا۔
 "انیکٹر جمشید تم لوگوں کو تلاش نہیں کر سکیں گے۔"
 "کیا یہ دعویٰ ہے؟" فرزانہ نے پوچھا۔
 "ہاں! دعویٰ۔ اس نے فخریہ انداز میں کہا۔
 "خیر کوئی بات نہیں، اگر وہ ہم تک نہ پہنچ سکے تو ہم
 یہاں سے نکلنے کی کوشش کر ڈالیں گے۔"
 "یہی میں چاہتا ہوں۔ تم یہ کوشش اب شروع کر ہی
 ڈالو۔ ورنہ پھر دیر ہو جائے گی۔"
 "دیر ہو جائے گی۔ کیا مطلب؟" فرزانہ چونکی۔
 "تمہیں سمجھ سکتے۔"

پڑے گی، لیکن تمہاری جان پرین جائے گی۔

”ہاں! یہ بات تو میں محسوس کر رہا ہوں، لیکن یہ میری بے وقوفی سے ہوا۔“

”اس میں ہمارا کیا قصور بجا ہے۔“

”اب آپ مہربانی فرما کر یہ بتا دیں کہ ہم یہاں سے کس طرح نکل سکیں گے۔ اگر آپ نہیں بتائیں گے تو ہم آپ کے بازو پر ذرا سا دباؤ ڈالیں گے۔ اگر پھر بھی نہیں بتائیں گے تو کچھ اور دباؤ ڈالیں گے، اگر پھر بھی نہیں بتائیں گے تو پھر پورا دباؤ ڈالیں گے۔ اس وقت بازو کے ٹوٹنے کی آواز آپ خود سن لیں گے۔“

”نہیں! اس نے خوف زدہ انداز میں کہا۔“

”ابھی تجربہ ہو جائے گا۔“

یہ کہہ کر محمود نے دباؤ ڈالا، اس کی چیخ نکل گئی، لیکن وہ ہونٹ بیچنے رہا۔ محمود نے اور زور لگایا، اس بار اس کی چیخ پہلے سے بلند تھی، لیکن منہ پھر بھی نہ کھلا۔

”اُد اب باری آتی ہے دائیں کلائی کے ٹوٹنے کی۔“

اس کے بعد باری آئے گی بائیں کلائی کی۔ محمود نے خوفناک لہجے میں کہا۔

”نہیں۔ ٹھہرو۔“

نہیں تھا۔ ہاں! اتنا ضرور ہوا کہ ابھی اس ٹیکو سے سنبھل رہا تھا کہ فرزند نے تیزی سے آگے بڑھ کر اس کی ٹانگ پکڑ کر گھسیٹ لی۔ وہ دھڑام سے گرا۔

بس پھر کیا تھا۔ کمزوری محسوس کرنے کے باوجود تینوں اسے چھاپ بیٹھے۔

”اس طرح بھلا تم کیا فائدہ اٹھا سکو گے۔ کرنے کا کام تو یہ تھا کہ یہاں سے نکلنے کا راستا تلاش کرتے۔“ اس نے ہنس کر کہا۔

”ہمارا کام کرنے کا اپنا طریقہ ہے۔“

”خیر بھئی دیکھتے ہیں۔ تم کیا کرتے ہو۔“ اس نے منہ بنا کر کہا۔

تینوں اسے بُری طرح جکڑنے کی کوشش میں لگے رہے۔

ادھر وہ مزے مزے میں ان کی گرفت میں آتا پلا گیا۔ یہ سوچ کر کہ وہ اس کا بھلا کیا بگاڑ سکیں گے۔ اچانک اس کے منہ سے نکلا:

”ارے ارے۔ یہ کیا بھئی۔ یہ۔ یہ کیا۔“

”اسی کو ہم ترکیب نمبر ۱۳ کہتے ہیں۔ ہم نے تمہارے ہاتھوں اور پیروں کو اس انداز سے بل دیے ہیں کہ اب

اردو فیزکس کے لیے ت نہیں صرف کرنا pk7e@hotmail.com

لاتھوں اور پیروں کو قابو میں کر لیا کرتے تھے۔ فاروق نے دانت نکالے۔

"بچپن میں؟ اس نے سوالیہ اور حیرت زدہ انداز میں کہا، اس کی آواز میں ایک کھٹک تھی۔

"ہاں جناب۔" فاروق بولا۔

"اور تم بڑے کب ہوتے؟

"اُسے ہاں! یہ تو ہم بھول ہی گئے۔ کہ ابھی ہم بچپن کی حدود میں ہی ہیں۔ خیر یوں کہہ لیں کہ یہ کچھ زیادہ بچپن کی باتیں ہیں۔

"اسے چھوڑ دو اور یہاں سے نکلنے کا راستا مجھ سے معلوم کر کے دکھاؤ۔

"معلوم کرنے کے بعد دکھانے کی کیا ضرورت ہے؟" فرزانہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

"میں نے کہا ہے۔" یوگو کو چھوڑ دو۔

"تو یہ یوگو ہے۔ اب تو چھوڑنا ہی پڑے گا۔ ہمیں معلوم نہیں تھا کہ یہ حضرت یوگو ہیں۔

"ٹھٹھ نہ کرو۔" اس نے جھلک کر کہا اور پستول کو عجیب انداز سے حرکت دی۔ وہ سمجھ گئے، اس کے ارادے خطرناک ہیں،

لہذا یوگو کو ایک اور طرح پکڑا اور اس سے کہا:

"ٹھہر گئے۔ آگے چلیے۔" فاروق چسکا۔

"نہیں۔ نہیں بتاؤں گا۔"

"آپ کی مرضی جناب۔" محمود نے کہا اور ایک زوردار جھٹکا مارا۔

اس کے منہ سے ایک دل دوز چیخ نکل گئی۔ ساتھ ہی کڑک کی آواز آئی، یہ دائیں بازو کی ہڈی ٹوٹنے کی آواز تھی۔ اس کے منہ سے نکلا:

"اُف مرا۔"

"اب باری ہے۔" بائیں بازو کی

"نہیں۔ نہیں۔" وہ چلایا۔

"تب پھر ایک منٹ سے پہلے یہ بتا دو کہ ہم

یہاں سے کس طرح نکل سکیں گے؟

"ہاں۔ وہ۔ سامنے۔ کس۔ سامنے۔"

وہ ہٹکا کر رہ گیا، کیونکہ سامنے اسے اور ہی منظر نظر

آیا تھا۔ انھوں نے بھی اس طرف دیکھا اور دھک سے رہ

گئے۔ وہاں ایک مدد نقاب پوش کھڑا تھا اور اس کے ہاتھ

میں خوفناک قسم کا پستول بھی تھا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟"

محمود میں ہم اس طرح

ڈالنے لگی۔

”بب۔ باس۔ یہ۔ یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ ان کا علاج تو گیس سے بھی ہو سکتا ہے۔ ساتھ میں کچھ دیر کے لیے میں بھی بے ہوش ہو جاؤں گا اور بس۔ آپ مجھے کیوں ضائع کرتے ہیں؟“ یوگو نے جلدی جلدی کہا۔

”اوہ! یہ تو مجھے خیال ہی نہیں رہا۔“ اس نے کہا اور فوراً ایک سوپچ کی طرف بڑھ کر اسے دبا دیا۔
انھیں فوراً تیز گیس کی بو محسوس ہوئی۔ اور ذہن تاریکی میں ڈوبتے چلے گئے۔



”خان رحمان! یہ دیکھو۔ گفٹ گؤ سننے کے انتظامات کس قدر مکمل ہیں۔ یہ تو ایسا لگتا ہے جیسے یہاں ہمیشہ سے گفٹ گؤ سنی جاتی رہی ہے۔“ ان کی آواز میں ہچکچی تھی۔
خان رحمان نے آگے بڑھ کر دیوار کے اس حصے کو دیکھا۔ اس جگہ سے انھوں نے ایک فریم شدہ تصویر ہٹائی تھی، کمرے کی دیواروں میں اور اس حصے میں بظاہر کوئی فرق نہیں تھا، لیکن یہ فرق انھوں نے صاف محسوس کر لیا تھا۔ ایک

”مسٹر یوگو۔ فوراً کھڑے ہو جاؤ۔ مدد بایاں بازو بھی گیا کام سے۔“

”اچھ۔ چھا! اس نے کہا اور اٹھ گیا۔
”اچھا کے دو ٹکڑے کر دیے۔ دھت تیرے کی۔“ فاروق نے جھٹاکر کہا۔

اب تینوں اس کے پیچھے تھے۔ اس طرح کہ بالکل ایک لائن میں آگے پیچھے کھڑے تھے۔

”مسٹر باس! اب چلائیے گولی۔ آپ کی گولی یوگو کے جسم کی سیر کرنے کے بعد ہی ہم میں سے ایک کے جسم کا حال پوچھنے کی جرات کر سکے گی۔“

”بکومت۔ میں تمہارے اس طرف آ کر فائر کر سکتا ہوں۔“ باس غرایا۔

”یہ تجربہ بھی کر لیں گے ہاتھوں۔“
اس نے گھوم کر دوسری طرف آنے کی کوشش کی، لیکن اتنی دیر میں وہ بھی گھوم چکے تھے اور یوگو ہی باس کے سامنے تھا:
”تب پھر میں یوگو کو گولی مار رہا ہوں۔ یہ پستول بڑے سائز کا ہے۔ گولی تم تک بھی پہنچے گی۔“

”آپ اس کی پروا نہ کریں۔ گولی چلائیں۔“
اس نے جھٹاکر پستول تان لیا، اٹھکی ٹریگر پر دباؤ

چوکر حصے میں نہایت باریک سوراخ موجود تھے۔

”اُف مالک۔ یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں؟“

”ذیبر خادمہ صاحب کی جاسوسی ہوتی رہی ہے۔ یہاں ہونے والے اجلاسوں کو باقاعدہ سُنا جاتا رہا ہے، بلکہ شاید ریکارڈ بھی کیا جاتا رہا ہے، لیکن خان رحمان! آج ہم اس اجلاس کی گفت گو نہیں سُنے دیں گے اور یہ سُراخ بھی لگائیں گے کہ وہ کون ہے۔ جو یہ کام کرتا رہا ہے۔ شیخ صاحب ملک کے وزیرِ خارجہ تو آٹھ دس سال سے ہیں، لیکن اس سے پہلے سیکرٹری وزیرِ خارجہ تو ایک مدت سے چلے آ رہے ہیں۔ یہ معاملہ تو حد درجے خوف ناک ہو چلا ہے خان رحمان۔“

”ہاں جمشید۔ نہ جانے کتنے اہم راز دشمن ملک کے ہاتھ لگ چکے ہیں۔ خان رحمان کا چہرہ سفید پڑ گیا۔“

”اور یہ اچھا ہی ہوا۔ آج انھوں نے یہاں میری ڈیوٹی لگا دی۔ ویسے میں اس بات پر بہت حیران ہوا تھا۔ انھوں نے کہا۔“

”کس بات پر؟“

”اپنے یہاں مقرر کیے جانے پر۔ میں نے کہا بھی تھا کہ اکرام اور اس کے ماتحت مقرر کر دیتا ہوں، لیکن شیخ

دوں۔ میرا خیال ہے۔ ہمیں فوراً شیخ صاحب سے بات کرنی چاہیے۔“

”میں انہیں یہیں بلا لیتا ہوں۔“ خان رحمان نے کہا اور کمرے سے نکل گئے۔

انپکٹر جمشید باقی فریم شدہ تصویروں کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ہر لمحے ان کے خوف میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور پھر قدموں کی آواز سُنائی دی۔ وہ فوراً دروازے کی طرف بڑھے اور شیخ صاحب کو براہِ دے میں ہی روک لیا:

”ہم یہیں گفت گو کریں گے شیخ صاحب۔“

”خیر تو ہے۔ آپ دونوں بہت پریشان دکھائی دے رہے ہیں۔ اور ہاں۔ پروفیسر صاحب کہاں ہیں؟“

”وہ ابھی آجائیں گے۔ آپ ایک بات بتائیں۔ انھوں نے کہا۔“

”ہاں پوچھیے۔“

”آپ نے آج آخر میری ڈیوٹی ہی کیوں لگائی تھی؟“

”بس ایسے ہی۔ وہ مسکرائے۔“

”ایسے ہی نہیں جناب۔ اس کی کوئی خاص وجہ تھی۔“

انپکٹر جمشید بولے۔

”یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں؟“

یہاں تک کہ کر دہ رک گیا۔

”ہوں۔ کیا آپ آج کا اجلاس ملتوی کر سکتے ہیں؟“ انپکٹر جمشید نے کہا۔

”کیوں۔ کیا بات ہے؟“

”اجلاس شروع ہونے میں اب وقت بہت کم رہ گیا ہے۔ اور ہماری تمام تر کوششوں کے باوجود بھی شاید یہ گفت گو سن لی جائے۔“

”آپ۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟“ شیخ خالد ابرار نے جلدی سے کہا۔

”آئیے۔ میں آپ کو دکھاتا ہوں۔“

انپکٹر جمشید انہیں ایک فریم شدہ تصویر کے پاس لے آئے، اس کو ہٹا کر انہوں نے ان سوراخوں کی طرف وزیر خادیم کی توجہ دلائی:

”یہ دیکھیے۔ ان سوراخوں کے ذریعے گفت گو کہیں اور کی جاتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے اس کمرے سے بارودوں کا جال کسی دوسرے حصے تک پھیلا ہوا ہے۔“ انہوں نے کہا۔

”اور۔“

وزیر خادیم دھک سے رہ گئے، رنگ سفید پڑ گیا، آنکھیں

”میں ایک سوراخ دساں ہوں جناب عالی۔“ انپکٹر جمشید نے کہا۔

”ہوں! تب میں کہوں گا۔ آپ کا خیال ٹھیک ہے۔ وجہ خاص ہے۔“

”میں وجہ جاننا چاہتا ہوں۔“

”کافی عرصہ سے ایسا ہو رہا تھا کہ ہم یہاں کوئی تجویز منظور کرتے، کوئی خفیہ پروگرام بناتے، بیرونی ملکوں کے وزرائے خارجہ سے کوئی اہم بات چیت کرتے اور پھر اس پر عمل شروع کرتے، لیکن وہ بے کار جاتا۔ دشمن ملکوں میں اس پروگرام کے خلاف پہلے ہی پیش بندی کی جا چکی ہوتی تھی۔ ہم یہ نتیجہ نکالتے کہ کسی طرح ہمارے پروگرام کی سن گن دشمن ملک کو لگ گئی، لیکن جب بار بار ایسا ہوا تو میں بہت پریشان ہوا، ہر ممکن احتیاط کر گزرا، لیکن فائدہ کوئی نہ ہوا۔ کئی ماہرین کو بلایا۔ وہ بھی کچھ ثابت نہ کر سکے۔ آج کے پروگرام کے بارے میں بھی میں فکر مند تھا کہ صاحب صدر نے آپ کے بارے میں اشارہ دیا۔ اور میں نے آپ کو

خون سے پھیل گئیں۔

”باقی فریم بھی دیکھ لیں: انپیکٹر جشید بولے۔

باقی فریموں کے سوراخ دیکھ کر تو ان کی ٹانگوں سے جان نکل گئی۔ وہ گرتے پڑے گئے۔

باسوں کی لائن

دوبارہ ہوش آیا تو وہ اسی کمرے میں تھے اور ایک بار پھر ہاتھ پیر ہلانے کے قابل نہیں تھے، باس اور یوگو بھی کمرے میں ہی موجود تھے:

”آخر تم لوگ چاہتے کیا ہو؟“
”صرف اور صرف یہ کہ تم لوگ اب کچھ کرنے کے قابل نہ رہ جاؤ۔“ باس بولا۔

”کیا مطلب؟“ محمود نے برا سامنہ بنایا۔
”مطلب یہ کہ تمہاری ٹانگ ہر اہم معاملے میں اڑ جاتی ہے، ہم چاہتے ہیں، تمہاری ٹانگیں نہ رہیں، نہ ہوں گی، نہ اڑیں گی۔“ اس نے کہا۔

”بھئی واہ! محاذِ ثلث یہ کہنا چاہتے ہو، نہ ہوگا بانس، نہ بچے گی بانسری۔“ فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

”لیکن اس صورت میں تم نے ہمیں بے ہوش کیوں کیا،

”تو پھر بیٹھ جاؤ۔ کھڑے کھڑے تھک جاؤ گے۔“ محمود نے جھٹاکر کہا۔

”ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔ ہم باری باری تم دونوں پر بیٹھیں گے۔“ فریاد لڑکی ہے۔ اسے معاف کر دیتے ہیں۔ باس نے کہا۔

”چلو خیر۔ تم میں اتنی تو شرافت ہے، ہم بھی اس شرافت کے بدلے میں شرافت سے پیش آئیں گے۔“ محمود نے خوش ہو کر کہا۔

”شرافت سے پیش آؤ گے۔ کیا مطلب۔ تم بے چارے کیا ہمارے ساتھ شرافت سے پیش آؤ گے۔“ یوگو نے طنز یہ لہجے میں کہا۔

”میرا مطلب تھا، اپنی باری پر۔“

”بس آپکی تمہاری باری تو۔“ باس ہنسا۔

”پانسہ پلٹتے کیا دیر لگتی ہے۔“

”فی الحال تو ہم تمہیں گریسیوں کے طور پر کام میں لاتے ہیں۔“ یوگو نے کہا۔

دونوں ان کے قریب آ گئے اور ان پر بیٹھنے لگے، لیکن فرش پر گر کر ٹھک گئے۔ محمود اور فاروق تو ایک طرف سرک گئے تھے۔ نہ صرف سرک گئے تھے، بلکہ انھوں نے

تمہیں تو چاہیے تھا، ہمیں جان سے مارتے۔“

”وہ لمحات بھی آنے والے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں، تمہارے والد اور ان کے دوست تمہاری تلاش میں یہاں آ جائیں۔ پھر ایک ہی بار تم لوگوں کا کام تمام۔“ یوگو نے گلے پر انگلی پھیر کر کہا۔

”اللہ اپنا رحم فرماتے۔ کیا تم بتا سکتے ہو، شیخ صاحب کے گھر میں کیا ڈراما رچایا جا رہا ہے؟“

”اجلاس میں ہونے والی تمام گفت گو ریکارڈ کی جائے گی۔ اور کسی دشمن ملک کے حوالے کر دی جائے گی۔ لمبی چوڑی رقم ملے گی اس طرح ہمیں۔“

”کیا پہلے بھی یہی کرتے رہے ہو؟“

”ہاں! دولت حاصل کرنے کا یہ آسان ترین نسخہ ہے۔“

”اور شیخ خالد ابراہیم آج تک اس بات کو محسوس نہیں کر سکے؟“

”یہی تو ہمارا کمال ہے۔“ باس مسکرایا۔

”اچھا جانی ہو گا۔ اب ہمیں آرام کرنے دو، بول بول کر تھک سے گئے ہیں۔ تم دونوں جا سکتے ہو۔“

”ہمسر، کہیں جانے کی ضرورت نہیں۔ انسپکٹر جمشید کا انتظار

”یوگو۔ تم بتا دو۔“

”کب۔ کیوں۔ اس سے کیا فرق پڑ جائے گا۔“ یوگو ہلکایا۔

”باس کے سامنے قسم کھا سکوں گا۔“

”اود میرا کیا بنے گا؟ وہ فکر مند ہو گیا۔“

”تمہارے بارے میں باس ہدایات تو مجھے ہی دے گا نا۔“

”میں اس وقت تمہارا احسان یاد رکھوں گا۔“

”دیکھ تو باس۔“

”بھئی یہ کیا۔ مشر یوگو۔ یہ تمہارے باس ہیں اور ان کے

باس کوئی اور ہیں۔“

”ہاں! یہاں تو باسوں کی لائن لگی ہے۔“

”ارے باپ ارے۔ کیا ہمیں ان سب سے ٹکراتا پڑے

گا؟“ فاروق نے گھبرا کر کہا۔

”اس کے علاوہ کیا کہا جا سکتا ہے۔ اس گروہ سے ٹکر لینا

تم لوگوں کے بس کی بات نہیں ہوگی۔“

”کیا کر رہے ہو بھئی۔“

”انماذہ ہو جائے گا۔“ یوگو۔ اٹھو دواذہ کھول دو۔“

”اٹھا نہیں جا رہا باس۔ ان لوگوں نے بہت بُری طرح

مارا ہے۔“

”مہر کر دو۔ دیکھو، میں بھی مہر کیے پڑا ہوں کہ نہیں۔“

اچانک ان پر حملہ بھی کر دیا تھا، رہی سہی کسر فرزانہ نے پوری کر دی، اس نے باس کی ٹانگ پکڑ کر گھسیٹ لی۔

اب ان کے ہاتھ اور پیر بلا کی تیزی سے چل رہے تھے، چند منٹ میں ہی تینوں نے لاقوں اور ٹکٹوں سے انھیں بے دم کر دیا۔ مرمت سے زیادہ ان کے چہروں پر حیرت کے آثار تھے۔ جب وہ مدحالی ہو گئے تو ان تینوں نے اپنے ہاتھ دوک لیے، اس وقت باس نے اچپتے ہوئے کہا:

”یہ۔ یہ کبھی طرح ہو گیا؟“

”دوسری بار جب تم نے گیس چھوڑی تو ہم پوری طرح تیار تھے، لہذا اپنے سانس روک لیے اود بے ہوش ہونے کی ایکلنگ کرتے ہوئے گر گئے۔ ایک منٹ بعد تم نے گیس کا سوچا بند کر دیا۔ ان حالات میں بجلا ہم پر گیس کا اثر ہو سکتا تھا۔“

”نہیں۔“ یوگو ہلکایا۔

”میں نے کہا تھا نا۔ پانس پٹتے کیا دیر لگتی ہے؟“ محمود نے میکا کر کہا۔

”ان پانسوں میں بس یہی تو بُری بات ہے۔ ان تو دوستو۔ اب بتاؤ۔ اس کمرے میں دواذہ کس طرح کھلے گا؟“

فاروق جھکا۔

اس نے منہ بنایا۔
 "اچھا باس۔ تم کیا یاد رکھو گے؟" یوگو یہ کڑکڑاٹھ کھڑا
 ہوا۔ اور پھر اس نے سوچ سوچ کر لوڈ میں لگا ایک سوچ دبا
 دیا۔ فوراً ہی دیوار کے ایک کونے کے ساتھ ایک بھٹی دیوار
 نمودار ہوا۔

دروازے کو دیکھ کر ان کی جان میں جان آئی۔ انھوں
 نے پہلے ان کے ہاتھ کمرے پر باندھ دیے، پھر انھیں چلنے
 کے لیے کہا:

دروازے سے نکل کر انھیں ایک چھوٹی سی سڑک نظر
 آئی اور پھر سیڑھیاں اوپر جاتی دکھائی دیں، یہاں بھی ایک مد
 سوچ موجود تھا، اسے دبا تو ہے ہی دروازہ کھل گیا اور انھوں
 نے خود کو اسی کوارٹر میں پایا، جہاں ریکارڈنگ کے آلات
 کچھ دیر پہلے دیکھے تھے۔

"تو ہم ان کوارٹروں کے نیچے بنے ایک تہ خانے میں
 تھے، حیرت ہے۔ اس قدر بڑے پیمانے پر استقامت کیے
 گئے ہیں اور ہمارے ذریعہ خادمہ صاحب کو تباہ نہیں؟"

"یہ تمام کام غالباً اس وقت کیے گئے تھے جب کوٹھی
 تعمیر کروائی گئی۔ شیخ صاحب تو زیادہ تر بیرونی ملکوں کے
 اردو فیزکس کے لیے ہوں نے کوٹھی ٹھیکیداروں

کے ذریعے بنوائی ہوگی۔ اب اس تعمیراتی کمپنی نے ملن پڑے
 گا۔ یہ کام جس نے بھی کیا ہے۔ ان کی مدد کے بغیر
 نہیں کیا۔ ان سے گھٹے جوڑ ہوا ہوگا، پھر کہیں جا کر یہ
 چیزیں بنی ہوں گی۔

"وہ تو سب ٹھیک ہے، لیکن پہلے تو ہمیں آبا جان
 سے ملاقات کرنا ہوگی۔ انھیں بھی تو حالات معلوم
 ہو جائیں۔"

"ہوں ٹھیک ہے۔ آؤ۔ ان کی سمت چلتے ہیں۔"
 ایک ملازم سے معلوم ہوا کہ انیسٹر جنسڈ کانفرنس روم
 میں ہیں۔ وہ اس سمت میں چل پڑے۔ کمرے میں داخل
 ہوئے ہی تھے کہ انھوں نے شیخ خالد ابراہ کو گرتے دیکھا:

"یہ۔ یہ انھیں کیا ہوا آبا جان؟"
 "اور۔ تم لوگ آگئے۔ ٹھہرو۔ پہلے انھیں دیکھ لیں۔"
 وہ شیخ صاحب پر جھک گئے، پھر انھیں صوفے پر ڈال
 دیا گیا، پانی کے چھینٹے دیے گئے۔ ڈاکٹر کو فون کیا گیا۔ کچھ
 گھنٹے بعد حالات معمول پر آئے اور شیخ صاحب بات چیت
 کرنے کے قابل ہوئے۔

"آخر یہ سب کیا ہے انیسٹر جنسڈ؟"
 آج کا اجلاس آپ غوی نہیں کر سکتے؟

رکے ہوئے ہیں۔ وہ بھی مہمانوں کی وجہ سے۔

تو کیا۔ اب شیخ صاحب اپنے بیٹے کے آنے سے پہلے ہی مہمانوں کو رخصت کر دیں گے؟ انیکٹر جمشید بولے۔
نہیں جمشید۔ دعوت تو بہت حال کھلائی جائے گی۔ دعوت کے بعد جو خلیہ اجلاس کا پروگرام ہے، صرف وہ تکمیل کیا جائے گا۔

ہوں۔ بات ٹھیک ہے۔ اب تم سناؤ۔ کیا کرائے ہو، اتنی دیر کہاں لگائی؟ وہ ان کی طرف مڑے۔
محمد نے اپنی کہانی سنا سوائی۔ انیکٹر جمشید کی نظریں ان دونوں پر جم گئیں۔

”خادوق! تم ذرا اکرام کو فون کر دو، تاکہ ان کی مدد و اربعہ معلوم ہو جائے۔“

”جی ہمتہ! ایسے ان صاحب کا نام یوگو ہے اور یہ خود کو باس کہلاتے ہیں، لیکن صرف یوگو کے باس۔ ورنہ ان پر کوئی اور باس موجود ہے اور ان پر کوئی اور، اور ان پر۔۔۔“

تم جانتے ہو یا۔۔۔ انیکٹر جمشید جتنا اٹھے۔

اور اس نے باہر کی طرف دوڑ لگا دی۔

”محمد تم گھر کے کسی ملازم کو بلاؤ، میں اس کے ساتھ

”اں! ضرور کر سکتا ہوں۔ اب تو اچانک طبیعت خراب ہونے لگا جواز بھی ہے۔“

”بس تو پھر ایسا ضرور کریں۔ مہمانوں کے رخصت ہو جانے کے بعد ہم تحقیقات کریں گے۔“

”اچھی بات ہے۔ میں اب ٹھیک ہی ہوں۔ لہذا باغ تک جا کر مہمانوں سے خداع ہونے کی کوشش کرتا ہوں۔“

”کیا آپ کے پاس مہمانوں کی فہرست ہے، کیونکہ اس بات کا بھی زبردست امکان ہے کہ آپ کے مہمانوں میں سے کوئی اس بندے پھر کا ڈتے مار ہو۔“

”اوہ! وہ دھک سے رہ گئے، پھر جلدی سے بولے۔“

”ٹھیک ہے، میرے پاس مکمل فہرست موجود ہے۔“

”آپ باغ میں ہو آئیں۔ میں خدا ان سے دودو باتیں کر لوں۔ انہوں نے ان تینوں کی طرف اشارہ کیا۔“

شیخ خالد ابرار تھکے تھکے انداز میں باہر نکل گئے۔

”ابھی تک ہم نے گھر کا کوئی فرد نہیں دیکھا۔ کیا یہ بات عجیب نہیں ہے؟“

”نہیں! اس لیے کہ تمام گھر کے افراد ایر پورٹ گئے ہیں،“

شیخ صاحب کے بیٹے کو لینے کے لیے۔ یہ پارٹی دراصل اس کی

اردو فیز کے لیے شیخ صاحب اور ملازم ہیں pk7e@hotmail.com

اس شخص کا نقاب اُلٹنا چاہتا ہوں۔

”جی بہتر!“

جلد ہی محمود اور فاروق اندر داخل ہوئے، ان کے ساتھ دو ملازم بھی تھے۔

”اُٹھ آ رہے ہیں۔“

”ہوں ٹھیک ہے۔“ انھوں نے کہا اور ملازموں کی طرف

مُڑے:

”آپ اس گھر میں کب سے ملازم ہیں؟“

”کافی عرصہ ہو گیا۔“

”ان صاحب کو جانتے ہیں؟“

”جی نہیں۔ پہلی بار دیکھ رہے ہیں۔“

”اور ان کے بارے میں کیا خیال ہے؟ یہ کہہ کر انپکٹر جیڈ

نے یوگو کے لباس کا نقاب اُلٹ دیا۔

دونوں ملازم لڑکھڑا گئے۔ ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل

گئیں:

”یہ۔ یہ تو ماجد صاحب ہیں۔“

”کون ماجد صاحب؟“

”یہ ہمارے انچارج ہیں، یعنی ملازموں کے انچارج۔“

”ہے۔ کوشی سے تو

اس کا کوئی تعلق نہیں، پھر یہ یہاں کیسے نظر آ رہا ہے؟

”آپ کے کسی سوال کا میرے پاس کوئی جواب نہیں۔“

”ایسی جی کوئی بات نہیں۔ جی۔ تمہارے تو فرشتے بھی

ہمارے ہر سوال کا جواب دیں گے۔ تم تو شیخ صاحب

کے شیئر ہو۔ تم تو یہاں موجود ہو سکتے ہو، سوال یہ ہے کہ

یوگو یہاں کیسے موجود ہے؟

”میں کہ چکا ہوں۔ جواب نہیں دوں گا۔“

”میں سمجھ گیا۔“ انپکٹر جیڈ مسکراتے۔

”جی آپ کیا سمجھ گئے؟“

”ابھی نہیں بتا سکتا، لیکن تھوڑی دیر بعد عملی طور پر

دکھاؤں گا کہ یوگو اندر کس طرح آتا ہے۔“

اور پھر اکرام دباں پہنچ گیا:

”ان دونوں کے بارے میں کیا خیال ہے اکرام؟“

اکرام کی نظریں ان دونوں پر جم گئیں، پھر اس نے انکار

میں سر ہلاتے ہوئے کہا:

”یہ ریکارڈ پر نہیں ہیں۔“

”ہوں۔ خیر۔ ان دونوں کو تالاب میں کرلو۔“

اسی وقت باہر گاڑیاں رکنے کی آواز سنائی دی۔ ساتھ

ہی الارم بجنے لگا:

یہ معلوم نہیں تھا کہ شیخ صاحب ہمیں بلا لیں گے اور ہم معاملے کو اس تار پر ختم نہیں کریں گے۔ تار کے بارے میں تحقیقات کی جاتی، لیکن شاید کوئی سراغ نہ لگایا جاسکتا۔ وقتی طور پر شیخ صاحب بھی اطمینان کا سانس لیتے کہ چلو۔ سازش تو پکڑی گئی، اب اطمینان سے اجلاس کی کارروائی ہو سکتی ہے۔ تار کا چکر بھی انہیں اس مرتبہ اس لیے چلانا پڑا کہ شیخ صاحب بہت ہموار ہو گئے تھے۔ انہیں فکر تھا کہ کہیں فریوں کے پیچھے سودا ج نہ دیکھ لیے جائیں۔ اور معاملہ لمبا نہ ہو جائے۔

”گیا اب ہمیں صرف یہ معلوم کرنا ہے کہ باس کا باس کون ہے۔“ فاروق جلدی سے بولا۔
 ”اے اے ہم شیخ صاحب سے دو باتیں کر لیں، پھر ان دونوں کو ملے کر دفتر چلتے ہیں۔“

شیخ صاحب کو ان کے پاس آنے میں ایک گھنٹہ لگ گیا، وہ بیوی بچوں کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئے۔ ایک بڑے لڑکے کے گلے میں ہار دیکھ کر انہوں نے جان لیا کہ وہ بیرون ملک سے آیا ہے۔

”سب لوگ جا چکے ہیں انپکٹر صاحب۔ میرے بیوی بچوں سے ملے۔ یہ بیگم ہیں۔ نام ہے رضوان۔ بڑے بیٹے کا

”اوہو۔ چھوٹے صاحب آگئے۔ ہمیں اجازت دیں جناب۔ ان کا استقبال کرنے کے لیے ہمیں دروازے پر موجود ہونا چاہیے۔ ایک ملازم نے کہا۔“
 ”ٹھیک ہے۔ آپ لوگ جانیے، ضرورت ہوئی تو پھر بلا لیں گے۔ انہوں نے کہا۔“
 ملازم دوڑ لگا گئے۔

”آخر اس کوشی میں ہو کیا رہا ہے جمشید؟“ خان رحمان بولے۔
 ”شاید۔ جس وقت سے یہ کوشی بنوائی گئی ہے۔ اس وقت سے یہاں ہونے والی ہر کارروائی کو سنا جاتا رہا ہے اور دشمن ملک تک پہنچایا جاتا رہا ہے۔“
 ”اُتے مالک۔۔۔ یہ کس قدر خوف ناک ہے۔“
 ”اے اے درجے خوف ناک، لیکن بے حیرت ایک اور بات پڑ ہے۔“

”اوردو کیا؟“
 ”یہ کہ۔۔۔ اے اے میں ہونٹے والی گفت گو سننے کے لیے وہ تار پھینکنے کی ضرورت نہیں تھی، پھر ان لوگوں نے یہ حرکت کیوں کی؟“

”صرف اس لیے کہ ہم تار وغیرہ ہٹا کر پوری طرح مطمئن نہ ہو سکتے تھے۔“
 ”لیکن انہیں

”اُن مالک۔ یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں۔“

”ابھی آپ نے کچھ نہیں دیکھا۔ آئیے میرے ساتھ انھوں نے کہا۔“

اب وہ انھیں سٹروٹ کوارٹر نمبر ۳ میں لائے:

”یہ کوارٹر کس کے پاس ہے؟“

”کسی کے پاس بھی نہیں۔“

”کیا مطلب؟“

”جب سے کوٹھی بنی ہے۔ اس میں کوئی ملازم نہیں

رہا۔ کوارٹر بہت زیادہ ہیں اور ملازم کم۔ میں زیادہ ملازم رکھنے کا عادی نہیں۔“

”ہوں خیر۔ محمود دروازہ کھولو بھی۔“

”دروازہ۔ کیا مطلب؟ رضوانہ بولیں۔“

”ابھی دکھاتے ہیں۔“

محمود نے آگے بڑھ کر سوئچ دبایا تو سڑنگ کا دروازہ کھل گیا:

”ارے۔ یہ کیا؟“

”ابھی آپ نے دیکھا ہی کیا ہے۔ آئیے۔“

اور وہ سڑنگ میں چلتے تہ خانے کے دروازے تک

آئے۔ محمود نے پھر سوئچ دبایا۔

نام کاشف ہے، اس سے چھوٹے یہ ہیں آصف اور بچی کا نام

عامر ہے۔ بس یہ مختصر سا خاندان ہے میرا۔“

”آپ لوگوں سے مل کر بہت خوش ہوئی۔ اب میں آپ

کو کچھ سنسنی خیز خبریں سنانا چاہتا ہوں۔“

”میں مذہبی طور پر تیار ہوں۔ آپ فرمائیے۔“

”نہ جانے کتنے عرصے سے۔ بلکہ شاید اس وقت سے جب

سے یہ کوٹھی بنی ہے۔ یہاں ہونے والی کارروائی کو مکمل

طور پر سنا جاتا رہا ہے۔“

”جی۔ کیا مطلب؟ ان سب کے منہ سے ایک ساتھ

نکلا۔“

”فریوں کے پیچھے آپ سوراخ تو دیکھ چکے ہیں۔ انپیکٹر

مجتبیٰ بولے۔“

”صرف میں نے دیکھے ہیں۔ ان لوگوں نے نہیں۔ شیخ

خالد اہلواز نے فوراً کہا۔“

”خیر۔ انھیں بھی دکھا دیتا ہوں۔ آئیے اس طرف۔“

انپیکٹر مجتبیٰ بولے۔“

انھوں نے فریوں کے پیچھے دیواروں میں بنائے گئے

باریک ترین سوراخ ان لوگوں کو دکھائے۔ ان کی آنکھیں چرت

سہا گئے۔“

چادروں وہ دروازہ کھولنے میں بھی کامیاب ہو گئے۔ یہ دروازہ دوسری طرف تھا۔

اب جو وہ اس سے داخل ہو کر دوسری طرف آئے تو اس طرف بھی ایک سڑنگ تھی۔

اب انہیں بیڑھیاں نظر آئیں، مارے حیرت کے ان کا برا حال تھا، رنگ زرد پڑ گئے تھے، شیخ خالد ابراہ صاحب کا تو وہ حال تھا، کاٹو تو بدن میں لو نہیں، جسم میں تھر تھاپٹ تک محسوس ہو رہی تھی۔ اور پھر وہ بند کرو دیکھ کر ان کی حیرت اور بڑھ گئی۔

”اصل میں آوازیں یہاں بیٹھ کر سُنی جاتی رہی ہیں، اور یہیں سے باہر لے جاتی جاتی ہیں۔ ریکارڈ لینے اور گفت گو سننے کے لیے کوٹھی میں سے نہیں آنا پڑتا۔ انہوں نے کہا۔“

”جی۔ کیا مطلب؟ اس بار محمود، فاروق اور فرزانہ کی آوازیں بھی شامل تھیں۔“

”ہاں! اس بند کمرے سے ہی کوئی راستا ایسا نکلتا ہے۔ جو کوٹھی کے آس پاس یا تو کسی کوٹھی میں نکلتا ہے۔ یا کسی جھاڑی وغیرہ کی ادٹ میں۔“

”اُن مالک!“

”اے اب میں وہ راستا تلاش کر کے دکھاتا ہوں۔“

جمشید لے کہا۔

اب وہ اپنے کام میں مشغول ہو گئے۔ محمود، فاروق

انتقام کیا گیا۔ یہ سارا انتقام جس مہارت سے کیا گیا۔ اس نے مجھے حیرت میں ڈال دیا ہے، کوئی زبردست دماغ پروگرام ترتیب دیتا رہا ہے۔ اس وقت سے جب آپ نے یہ کوٹھی بنوانا شروع کی۔ اس سے پہلے کہ ہم آپ سے معلومات حاصل کریں، اس کوٹھی کا جائزہ لیں کہ یہاں کچھ ہے یا نہیں۔ ویسے کیا وہ سینٹر صاحب اس کو تالا لگا کر نہیں رکھتے؟

”میں نے تو ہمیشہ تالا لگا دیکھا ہے۔“
”تب ان لوگوں نے کوئی اور راستا آنے جانے کا بنا رکھا ہو گا۔“

انھوں نے اس کوٹھی پر صرف پانچ منٹ صرف کیے، اور وہ پچھلا راستا تلاش کر لیا۔ جس کے ذریعے سے آمد و رفت ہوتی تھی۔ یہ ایک چھوٹا دروازہ تھا، اس پر تالا نہیں تھا، دوسرے یہ کہ اس کوٹھی کے نیچے بھی ایک چھوٹا سا تالا تھا، اس میں جنوں اور بھوتوں کے پروگرام ریکارڈ شدہ موجود مل گئے۔ ان کیسٹس کو جب چلایا گیا تو کوٹھی جنوں اور بھوتوں کی آوازوں سے گونجنے لگی:

”آئیے چلیں، یہ مسئلہ تو ہو گیا حل۔ یہاں باقی کام اکرام کر لے گا۔ اکرام تم نہایت امتیاط سے ہر چیز پر سے ایکٹو

کوٹھی کی کہانی

دوسری سڑک انھیں ایک کوٹھی کے کمرے میں لے آئی، جب وہ اس کوٹھی سے باہر نکلے تو تھوڑے ہی فاصلے پر شیخ صاحب کی کوٹھی نظر آ رہی تھی۔
”یہ کوٹھی کس کی ہے؟“ انیسٹر جمشید نے شیخ خالد ابراہان سے پوچھا۔

”ایک بہت دولت مند آدمی نے بنوائی تھی، لیکن اس میں جن رہنے لگ گئے۔ جب وہ کسی کو کرائے پر دیتے ہیں، جن کرائے داروں کو تنگ کرنے لگتے ہیں۔“

”اوہ! اس کا مطلب ہے۔ آپ کے گھر میں جاسوسی کرنے کے لیے اس کوٹھی میں جن بسائے گئے۔ اور آپ کی کوٹھی سے سڑک یہاں تک لائی گئی۔“ تاکہ یہاں سے جب ضرورت ہو، اس تالخانے میں پہنچ کر گفت گو سنی جاسکے،
اردو فیکٹر کے لیے

کے نشانات اٹھاؤ گے اور بھی جو کچھ معلوم کر سکو۔

”او کے سر۔ آپ فکر نہ کریں۔“

اب ڈسٹنکٹ خالد ابرار کے ساتھ ان کی کوشی میں آگئے۔ سب کے چہرے متے ہوتے تھے۔ انھوں میں پریشانی اور خوف صاف نظر آ رہے تھے۔

”اب آپ اس کوشی کی کہانی سنائیے۔“

”کوشی کی کہانی؟ انھوں نے سوالیہ انداز میں کہا۔

”ہاں! کوشی کی کہانی۔“

”آپ اس کے بارے میں کیا جاننا چاہتے ہیں؟“

”یہ کوشی کب اور کن حالات میں تعمیر کرائی گئی؟“

”پہلی بیوی فوت ہوئی تو میں اور بچے بہت اداس رہنے لگے تھے، اس وقت ہم اپنی آبائی حویلی میں رہتے تھے، لیکن خالدہ کی وفات کے بعد اس حویلی کی دیواریں ہمیں کاٹ

کھانے کو روڑنے لگیں۔ لہذا میں نے یہاں زمین خریدی اور

کوشی بنانے کا پروگرام بنایا، لیکن چونکہ میرے پاس ایسے

کاموں کے لیے وقت نہیں تھا، اس لیے میں نے کوشی

بنانے کا ٹھیکہ ایک تعمیراتی فرم کو دے دیا۔ یہاں تک

کہ کردہ خاموش ہو گئے۔

”کے دوران کوئی بھی کام

کی نگرانی نہیں کرتا رہا۔“ انسپٹر جمشید بولے۔

”خیر ایسی بات بھی نہیں۔ میرے بچے اکثر چکر لگاتے

رہتے تھے۔ رضوان بھی اس کام میں دلچسپی لیتی رہی۔ بس میں

اس طرف توجہ نہ دے سکتا۔“

”پھر بھی۔ بچے اور بیگم صاحبہ ہر وقت تو یہاں نہیں

رہتے ہوں گے۔“

”بالکل نہیں۔ دن میں کبھی ایک چکر لگایا، کبھی دو۔ کبھی

یہاں ایک گھنٹا ٹھہر گئے، کبھی دو گھنٹے۔“

”ہوں! میں سمجھ گیا، ان حالات میں تو یہ تہ خانے اور

سرنگ وغیرہ بنانا بہت آسان کام تھا۔ اور اس دوسری کوشی

کے سلسلہ قائم کرنا بھی مشکل نہیں تھا، لیکن ہاں۔ کیا یہ ساتھ

والی کوشی اس وقت بھی آسیب زدہ مشہور تھی؟“

”اس بات پر خود کرنا پڑے گا۔ انھوں نے الجھن کے

عالم میں کہا۔

”یہ اس کیس کا ایک اہم سوال ہو سکتا ہے؟ انھوں نے

کہا۔

”میں یاد کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ تم لوگ بھی ذہن

دوڑاؤ بھئی۔ انھوں نے بیوی بچوں کی طرف دیکھا۔ ہانچوں

سوچ میں ڈوب گئے، پھر بیگم خالدہ بولیں:

”جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے۔ یہ ان دنوں بھی آسیب زدہ نظر اٹھیں۔ یقیناً ہوتے ہیں نہ کہ مجھے۔“

مشہور تھی، کیونکہ جب ہم حویلی سے یہاں آتے تھے تو اس کے بارے میں سننے میں آیا تھا اور چیخ و پکار کی آوازیں بھی سنائی دی تھیں۔

”آپ نے بالکل ٹھیک کہا مہی۔ بڑے بیٹے نے کہا۔“
”شکریہ! ہم پٹانی حویلی بھی دیکھنا پسند کریں گے۔“
”کیوں! اسے دیکھنے کی بجلا کیا ضرورت؟“ ان کے لیے
میں حیرت تھی۔

”ہم جب کسی کیس پر کام کرتے ہیں تو اس کے کسی پہلو کو نظر انداز نہیں کرتے۔“

”ٹھیک ہے۔ میں ملازم کو ساتھ بھیج دیتا ہوں۔“
”اور ہاں! آپ اپنے ملازم ماجد کے بارے میں کیا

کہتے ہیں؟“

”میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ میرے تو وہم و گمان میں نہیں تھا کہ وہ غدار ہو سکتا ہے۔“

”اس سے ہم بات کر لیں گے۔ آپ یہ بتائیں۔ اسے کب ملازم رکھا گیا؟“

”گھریلو ملازم رکھنا بیگم صاحبہ کی ذمہ داری ہے۔ ان کی آسانی کے لیے بیگم صاحبہ نے اشتہار دے دیا۔ انھیں اور کیا چاہیے تھا۔“

”افسوس! اگر مجھے معلوم ہوتا تو... وہ کہتے کہتے رک گئیں۔“

"آخر اس حویلی سے موجود کیس کا کی تعلق ہو سکتا ہے
عشیدہ خان رحمان نے الجھن کے عالم میں کہا۔

"شاید کوئی تعلق ثابت نہ ہو سکے، لیکن ہو سکتا ہے
کوئی تعلق نکل آئے۔"

"میں تو یہ سمجھتا ہوں۔ ہمیں سب سے پہلے تیسرا کپنی
جاسا اینڈ کو سے بات کرنا چاہیے۔"

"جاسا اینڈ کو کیس بھاگی نہیں جا رہی۔"

"لیکن آبا جان۔ اس حویلی کے بارے میں آپ کا یہ خیال
کیوں ہے؟ فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔
کیا مطلب؟ وہ چونکے۔

"میرا مطلب ہے۔ یہ حویلی بھی تو کیس بھاگی نہیں جا
رہی۔" اس نے شریر انداز میں کہا۔

"ناموش رہو جی۔ ان حالات میں میں تم سے اپنا
دماغ نہیں چٹوا سکتا۔"

"جی ہنتر۔ میں انکھڑی طرف متوجہ ہو جاتا ہوں۔
"گویا تم دماغ چاٹنے پر تیار گئے ہو؟" فزاد مسکراتی۔
"دعت تیرے کی۔ آخر ادھر ادھر کی باتیں شروع کر
ہی دیں۔"

"ادھر ادھر کی ان باتوں میں بس یہی تو بُری بات

"فکر کریں۔ یہ تو ہونا ہی تھا۔ انپیکٹر جیشد مسکراتے
پھر بولے۔

"اور ہاں! اس تیسرا کپنی کا نام بھی بتا دیں۔ جس
نے کوٹھی تعمیر کی تھی، کیونکہ اصل میں تو کیا دھرا اس کے
کاری گروں کا ہے؟

"جاسا اینڈ کو"

"فرد یہی بات ہے۔ میں تو کہتا ہوں۔ اس پوری فرم
کو گرفتار کر لیا جائے۔ شیخ صاحب ختے کے عالم میں بولے۔
"ابھی اس کی ضرورت نہیں، پہلے ہم تحقیقات کر لیں۔
وہ بولے۔

ادھر پھر وہ ایک ملازم کے ساتھ پرانی حویلی پہنچے۔
یہاں بڑا سا ایک تالا لگا ہوا تھا۔ ملازم نے تالا کھولا۔ اندر
سے کئی چمکا دٹیں ہیں چیں کرتی ان کے سروں پر سے گزر
گئیں۔

ہر چیز ہر گرد کی ایک موٹی تہ جھی تھی۔ جگہ جگہ جالے
لگے تھے۔ بجلی کا نظام بھی خراب پڑا تھا۔ لیکن دن کے
آجائے میں بجلی کی روشنی کی ضرورت نہیں پڑی اور وہ
ایک ایک کمرہ اور ہر کمرے کی ایک ایک چیز چیک کرتے

”اوہو! یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔ آپ کا نام کیا ہے؟“

”میرا نام غیاث دین ہے“

”تو بھائی غیاث دین صاحب۔ ہمیں ان بیگم صاحبہ کے بارے میں بتائیں۔ یہ کس قسم کی عادت تھیں اور ان کی وفات کس طرح ہوئی تھی؟“

یہ بالکل ٹھیک ٹھاک تھیں۔ ایک صبح اپنے کمرے میں سرورہ ملی تھیں شیخ صاحب اس وقت سیکرٹری وزیر خادجہ تھے۔ انھوں نے فدا ڈاکٹر صاحبان کو بلوایا، لیکن ڈاکٹر جلا کیا کر سکتے تھے۔

”اور تو میری؟“

انہوں نے بتایا کہ بیگم صاحبہ کے دماغ کی کوئی رگ پھٹ گئی ہے۔

اور پھر۔ پھر کیا ہوا؟

”پھر کیا ہونا تھا۔ شیخ صاحب خوب روئے۔ اور اپنی چیمٹی ہوی کو دفن کر دیا۔ اور کہہ ہی کیا سکتے تھے۔“

”اور اس کے بعد انھوں نے دوسری شادی کر لی“

"ہاں! یہ دوسری شادی انھوں نے خود کی تھی۔ اپنی

پسند ہے۔“

ہے کہ شروع ہو جاتی ہیں۔“ فاروق بڑبڑایا۔

”لگ۔ کون شروع ہو جاتی ہیں؟“ پروفیسر داؤد ہنکلاتے۔

بچ۔ جی۔ ادمر ادمر کی باتیں۔

”اودہاں واقعی۔ یہ تو ہے۔ پروفیسر داؤد نے ہاں میں سر ہلایا۔“

آپ بھی کس کی باتوں میں آگئے؟ انسپکٹر جمشید نے منہ بنا کر کہا۔

”خاروق“ دے ہوئے۔

”اوہو۔ یہ۔ یہ تصویر کس کی ہے؟“

فزانہ نے ایک گرد آلود تصویر کی طرف اشارہ کیا، گرد کی وجہ سے تصویر بہت مدہم نظر آ رہی تھی۔ ملازم نے پکڑے سے تصویر کو جاف کیا اور پھر خود ہی بول اٹھا: ”یہ بڑی بیگم صاحبہ کی تصویر ہے۔“

آپ کا مطلب ہے۔ شیخ صاحب کی پہلی بیوی کی ؟
ایکڑ جمشید بولے۔

”جی ہاں؟ اس نے کہا۔

”جس وقت انھوں نے وفات پائی۔ اس وقت بھی آپ

شیخ صاحب کے ملازم تھے؛

”جہاں تک تیرا دل چاہے، میں اسے دے دوں گا۔“

انتظامات اس لیے کیے ہوں کہ اپنی گردن بچا سکیں۔ مطلب یہ کہ چوری پکڑ لی جائے تو کڑ سکیں کہ انہیں کوئی علم نہیں، یہ کسی اور کا کام ہے۔

”پھر بھی۔ دل نہیں مانتا۔“ محمود بولا۔
”تو میں نے کب کہا ہے کہ دل کو ماننے پر مجبور کرو، ویسے میرا خیال ہے، ہم اس کیس کو غیاث دین کی مدد سے حل کر سکتے ہیں۔“

”جی۔ کیا مطلب؟ غیاث دین آچھا۔“
”ہاں بھتی۔ میں جانتا ہوں۔ آپ کو کچھ اہم باتیں معلوم ہیں۔“

”یہ۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟“

”تو کیا میرا خیال غلط ہے؟“

”جی ہاں بالکل۔ مجھے اس سارے معاملے کے بارے میں کچھ بھی تو معلوم نہیں۔“

”اور ماجد کے بارے میں؟“

”ماجد کے بارے میں۔ کیا مطلب۔ اس کے بارے میں آپ

مجھ سے کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں؟“

”میں جانتا چاہتا ہوں۔ وہ کس طرح ملازم رکھا گیا تھا؟“

”میں بھی اتنا کچھ ہی جانتا ہوں۔ بتنا کہ آپ کو نیگم

”پنڈ سے کی تھی۔ یہ بات آپ کس طرح کر سکتے ہیں؟“

”رضوان صاحبہ ان کے دفتر میں ان کی اسسٹنٹ تھیں۔“

”یہی کے فوت ہونے کے چند ماہ بعد انہوں نے رضوان صاحبہ سے شادی کی درخواست کی۔ اس درخواست پر رضوان صاحبہ بہت گھبرائی تھیں، لیکن پھر انہوں نے ہاں کر دی۔ اس طرح یہ شادی ہو گئی۔“

”اب مجھے ان ڈاکٹر صاحبان سے بھی ملنا ہو گا۔“ انپکشد

”جسید بڑبڑائے۔“

”کیوں آبا جان! کیا آپ شیخ صاحب پر شک کر رہے ہیں؟“ محمود بولا۔

”تم جانتے ہو محمود کسی کیس پر کام کرتے ہوئے ہیں کسی کو بھی شک سے بڑی خیال نہیں کیا کرتا۔“

”جی ہاں! یہ تو ہمیں معلوم ہے، لیکن اس کیس میں کم از کم شیخ خالد مجرم نہیں ہو سکتے۔“

”کیوں۔ ایسا کیوں نہیں ہو سکتا۔“

”اس لیے کہ وہ اپنی ہی کوشش سے حاصل کردہ معلومات خود ہی کیوں دشمنوں کے حوالے کرنے لگے۔“

”ایسا ہونے کے امکانات بہت کم ہیں، لیکن یہ بات

اردو فینز کے لیے pk7e@hotmail.com

لیتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ اچانک وہ ان کی طرف مڑے:

”مجھے ابھی ابھی ایک خیال آیا ہے۔“

”اور وہ کیا؟“

”ہو سکتا ہے، اس حویلی میں بھی گفت گو ریکارڈ کرنے کی کوشش کی جاتی رہی ہو۔“

”جی۔ کیا مطلب؟“

”میرا مطلب ہے، اس نظریے کے مطابق بھی کام

کرنا چاہیے۔“

”اوہ واقعی؟ پروفیسر داؤد بولے۔“

”اور اب تو ہمارے پاس آلات موجود ہیں۔ پروفیسر صاحب

کو زیادہ دیر نہیں لگے گی۔“

”اور اگر لگ بھی جائے تو کیا ہے؟“

”انہوں نے یہ کام شروع کر دیا، لیکن ایک گھنٹے کی محنت

کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ انپکٹر جمشید کا یہ خیال غلط تھا۔“

”زندگی میں شاید پہلی مرتبہ آپ کا خیال غلط ثابت ہوا ہے۔“

”نہیں جی۔ یہ بالکل غلط ہے۔ وہ مسکرائے۔“

”جی۔ کیا مطلب۔ کیا غلط ہے۔ یہ کہ آپ کا خیال

غلط نہیں ہے۔“

”یہ بات نہیں۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ زندگی میں نہ جانے

صاحب نے بتایا ہے۔“

”جب کوٹھی تعمیر ہو رہی تھی۔ اس وقت آپ کہاں

ہوتے تھے؟“

”حویلی میں ہی۔“

”کبھی اس دوران نئی بننے والی کوٹھی نہیں گئے؟“

”میں نے یہ کب کہا، بخاب کہ میں ادھر آیا ہی نہیں تھا،

کئی مرتبہ کسی کام کی غرض سے آنا جانا ہوا۔“

”اگر آپ کوئی خاص بات جانتے ہیں تو بتادیں۔ فائدے

میں رہیں گے۔“

”نہیں۔ نہیں بخاب۔ میں کچھ بھی نہیں جانتا۔“

”عمود، فاروق اور فرزاد نے اپنے والد کی طرف چونک کر

دیکھا۔ ان کی نظریں اب بھی غیث الدین پر جمی تھیں:

”اگر مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ آپ کو فلاں بات معلوم

تھی۔ تو پھر میں آپ کو حوالات میں بند کرا دوں گا۔“

”یہ۔ یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ اس نے گجرا کر کہا۔“

”اس حویلی میں کوئی تہ خاد ہے؟“

”تہ خاد۔ یہاں۔ نہیں بالکل نہیں۔ اور اگر ہے تو میرے

علم میں نہیں۔ اس نے پریشان آواز میں کہا۔“

اردو فیزکس کے لیے، مابندہ حویلی کا جائزہ

داخل ہوا، وہ کافی فکر مند نظر آ رہا تھا۔ ڈاکٹر دونوں لاشوں پر جھک گیا۔ اور پھر اس نے سیدھے ہوتے ہوئے کہا:

"ان کی موت زہر سے ہوئی ہے۔"

"اس کا مطلب ہے۔ انھوں نے خودکشی کر لی ہے۔"

انہوں! ہم نے ان کی تلاشی کیوں نہ لی۔ انھوں نے محسوس کر لیا تھا کہ اب وہ ویسے بھی پچھانسی کے تختے سے نہیں بچ سکیں گے۔ لہذا خودکشی کر لی۔ ان کے پاس ضرور زہر موجود تھا۔ انھوں نے روانی کے عالم میں کہا۔

"اس کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے؟" خان رحمان بڑبڑاتے۔

"اوہو! یہ۔ یہ میں کیا دیکھ رہی ہوں؟" اچانک فرزانہ کے منہ سے نکلا۔

کتنی مرتبہ میرا خیال غلط ثابت ہوا ہے۔ آخر میں انسان ہوں؟

"ہاں! یہ تو خیر ٹھیک ہے، پھر اب کیا پروگرام ہے؟"

یہاں آنے کا تو کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

"آؤ۔ ذرا۔ اب ماجد اور یوگو سے دو دو باتیں کر لیں، ضرورت محسوس ہوئی تو انھیں کمرہ امتحان میں لے جائیں گے۔"

وہ وہاں بسے روانہ ہوئے، غیاث دین کو انھوں نے فارغ کر دیا۔ دفتر پہنچ کر وہ حالات میں داخل ہوئے۔

ماجد اور یوگو سو رہے تھے۔ گہری نیند۔ انھیں ہلایا جلا یا گیا، لیکن وہ ٹس سے مس تک نہ ہوئے۔ اچانک وہ زور سے اُچھلے اور آنکھیں جبرت سے پھیل گئیں:

"اوہو۔ یہ۔ یہ تو مرچکے ہیں؟"

"جی! حالات کے انچارج نے اُچھل کر کہا۔"

"یہاں۔ ان سے کوئی ملنے آیا تھا؟"

"نہیں۔ جناب۔ اگر آتا بھی تو ملاقات کی اجازت نہ

دی جاتی۔ سب انسپکٹر صاحب کی ہدایات یہی تھیں۔"

"محمود! ڈاکٹر کو فون کرو۔ یہ بہت بُرا ہوا۔ ان سے ضرور کوئی کام کی بات معلوم ہو سکتی تھی۔ اور ہاں! اکرام کو بھی بلاؤ۔"

جلد ہی ڈاکٹر آگیا۔ اکرام بھی اس کے ساتھ اندر

”اچھا! یہ بات مجھے معلوم نہیں تھی۔ کیا یہی بات ہے
آبا جان؟ فاروق ان کی طرف مڑا۔
”ہاں! مسئلہ بالکل یہی ہے۔
”اور ہم یہ بات بھول گئے کہ فرزانہ کو کوئی چیز نظر
آئی تھی۔“

”چیز بہت معمولی ہے۔ ہو سکتا ہے، اس کا کیس سے
کوئی تعلق نہ ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی تعلق بالکل
آگے۔“ فرزانہ نے کہا۔
”آخر وہ چیز ہے کیا؟“ خان رحمان نے تنگ آ کر کہا۔
”وہ دیکھیے۔ سونے کا ایک کلپ۔ مابد کی مٹھی میں
دبا ہوا ہے۔“

”فرزانہ کلپ۔ ایک مرد کے ہاتھ میں۔ بات واقعی عجیب
ہے۔“ انپکٹر جمشید بڑبڑاتے۔
”چلیے شکر ہے۔ اس کیس کے دوران کوئی بات تو عجیب
نظر آئی۔“ فاروق نے خوش ہو کر کہا۔
انپکٹر جمشید نے کلپ اس کی مٹھی سے نکالا، ایک
کافز میں پلٹا اور جیب میں رکھ لیا۔ تھوڑی دیر بعد وہاں
اکرام اور اس کے ماتحت پہنچ گئے۔ انھوں نے اپنا کام
شروع کر دیا۔ ایسے میں انپکٹر جمشید بولے:

مجبوری ہے

”جو کچھ دیکھ رہی ہو، جلدی سے ہمیں بھی دکھا دو، یا
اتنی دیر کے لیے ہمیں اپنی آنکھیں ادھا دے دو۔“ فاروق
نے بتا کر کہا۔

”ارے باپ ارے۔ آنکھیں دے دوں۔ آنکھیں تو میں
مرنے کے بعد بھی نہیں دے سکتی۔“

”یہ کیا بات ہوئی، آج کل تو ایسی خبریں عام پڑھنے
میں آتی ہیں کہ فلاں نے مرتے وقت اپنی آنکھیں کسی اندھے
کو دے دینے کی وصیت کی وغیرہ۔ اور تم کہہ رہی ہو، مر کر
بھی نہیں دے سکتیں۔“ فاروق نے اسے گھوڑا۔

”فرزانہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔ شرعی لحاظ سے کوئی انسان
اپنے جسم کا کوئی حصہ کسی دوسرے انسان کو نہیں دے
سکتا، مرنے کے بعد بھی نہیں دے سکتا، ہاں خون دینے

" دیکھا آپ نے پروفیسر صاحب۔ یہ چپ ہوا ہے؟
 " ہاں دیکھا ہے۔ اللہ اسے اس طرح چپ رہنے کی اور بھی
 توفیق دے۔ پروفیسر دائرہ خوش ہو کر بولے۔
 " آپ دونوں نے ہی تو اسے سر پر چڑھا رکھا ہے؟
 " اوسے باپ دے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ خان رحمان نے
 وکلا کر کہا۔

" کیا کیسے ہو سکتا ہے؟ انپکٹر جمشید کے لہجے میں حیرت
 ود آئی۔

" یہ کہ۔ فاروق فرش پر بھی کھڑا ہو اور ہمارے سروں پر
 بھی چڑھا ہوا ہو۔ یہ انسان ہے یا جن؟
 " اب تم بھی اس کا ساتھ دو گے کیا؟ انپکٹر جمشید نے
 آنکھیں نکالیں۔

" مم۔ میری توبہ۔" خان رحمان گھبرا گئے۔
 " ملک۔ کہیں وہ زور دار خیال زور دار انداز میں محمود کے
 ذہن سے نکل جائے؟

" اللہ اپنا رحم فرمائے۔ محمود مہربانی فرما کر خیال کو ذہن
 میں محفوظ رکھنا۔ کبھی نہ کبھی تو معلوم کرنے کے قابل
 ہو ہی جائیں گے؟ فرزانہ گھبرا کر بولی۔ اور وہ سکرانے بغیر
 ذرہ سکے۔

" خیال رہے اکرام۔ ان کے پوسٹ مارٹم نہایت احتیاط
 سے کرائے جائیں گے۔ ہمیں اس زہر کا نام بھی معلوم
 کرنا ہے جس سے یہ ہلاک ہوئے۔ سمجھ گئے؟
 " جی ہاں؟

" اور ابھی ابھی مجھے ایک خیال آیا ہے۔ زور دار خیال۔
 محمود نے دہی آواز میں کہا۔

" زور دار خیال اور تمہیں۔ بھول تو نہیں رہے پھٹی۔
 فاروق کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

" حد ہو گئی۔ یہ بھولنے کی بات کیسے ہو سکتی ہے؟
 فرزانہ اس کی طرف مڑی۔

" ہو سکتی ہے۔ زور دار خیال تمہیں آتے ہیں ذکر محمود
 کو۔ یا پھر ہو سکتا ہے خیال ادھر سے ادھر پھسل گیا ہو؟

" یار چپ رہو۔ کام کی بات درمیان میں رہ جاتی ہے؟
 انپکٹر جمشید تھلا اٹھے۔

" جی بہتر! پہلے کام کی بات۔ ہاں محمود۔ تو وہ زور دار
 خیال کیا ہے؟

" فرض نہر لیتے ہیں۔
 " کم از کم فرزانہ تو فرض نہیں کرے گی۔ پہلے ہی الجبرے

" چائے کہاں سے منگوائی تھی؟
 " ہمارے ہاں چائے دغیو نگینہ ہوٹل سے آتی ہے۔
 " اکرام اس بیرے کو پگڑا کر لے آؤ۔ جو ان دونوں کے
 لیے چائے لایا تھا۔
 " اوکے سر۔

جلد ہی اکرام ایک بیرے کو لے آیا، اس کی ٹانگیں
 تھر تھر کانپ رہی تھیں۔

" تو زہر چائے میں تم نے ملا دیا تھا؟
 " میرے تو باپ دادا نے کبھی ایسا کام نہیں کیا سرکار۔
 اس نے روتے ہوئے کہا۔

اور انھیں ہنسی آگئی۔ انپکٹر جمشید پھر حالات کے نگوان
 کی طرف مڑے:

" چائے منگوانے کے لیے انھوں نے رشوت کیا پیش کی
 تھی؟

" جی رشوت۔ یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟

" محمود! ان کی تلاشی لو۔

" یہ۔ یہ۔ یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ نگوان نے تھر تھر

کانپتے ہوئے کہا۔

" اندر سے آج میرا یہ خیال غلط ثابت ہو گیا کہ کم از کم

" میرا خیال ہے۔ میں خیال بتا ہی دوں۔ تاکہ کسی ایک
 کو تو یاد رہ جائے۔ محمود نے پریشان ہو کر کہا۔

" یہ ترکیب بھی بُری نہیں؟ فرزانہ نے سر ہلایا۔
 " تو پھر سنیں، خیال یہ آیا ہے کہ فرض کر لیتے ہیں۔
 ان کے پاس زہر نہیں تھا۔ اس صودت میں انھیں زہر کس
 طرح دیا گیا؟

" ویری گڈ۔ اچھا سوال ہے۔ ایک منٹ ٹھہرو۔
 یہ کمزور اخصوں نے حالات کے دروازے پر موجود
 نگوان کو اشارہ سے بلوایا، وہ انھی کی طرف دیکھ رہا تھا،
 " ان دونوں نے کوئی کھانے پینے کی چیز تو نہیں منگوائی
 تھی؟ انھوں نے پوچھا۔

" جی ہاں! چائے منگوائی تھی۔ اس نے فوراً کہا۔

" اس چائے میں تم نے زہر کیوں ملا دیا؟ ان کا لہجہ
 سرد تھا۔

" مم۔ میں نے۔ نن۔ نہیں تو سر۔
 " آٹا لٹکا دوں گا۔ انپکٹر جمشید کا لہجہ انتہائی سخت
 ہو گیا۔

" میں سچ کہ رہا ہوں سر۔ میں نے زہر نہیں ملا دیا۔

اردو فیکٹر کے لیے

میزے دفتر میں کوئی رشوت نہیں لیتا۔

محمود نے آگے بڑھ کر اس کی جیبوں کی تلاشی شروع کر دی۔ جلد ہی اس کے ہاتھ میں سونے کا باکل ویسا ہی کلپ نظر آیا۔ جو انھیں مابعد کی مٹی میں نظر آیا تھا۔ ان کی آنکھیں حیرت سے پھل گئیں،

”اب کیا کہتے ہو دوست؟ انپکٹر جمشید طنزیہ لہجے میں بولے۔

اب دُہ کیا کہتا۔ اس پر تو سکتے طامی ہو گیا تھا۔ ”صرف چائے کے دو کپ پیش کرنے کے لیے تم نے سونے کا یہ کلپ اس سے حاصل کیا۔ اور ان دونوں کی چائے میں زہر ملانے کے لیے کتنے پیسے حاصل کیے؟

”نہیں۔ یہ بات تو واقعی نہیں ہے۔ میں چائے منگوانے کے لیے یہ کلپ ضرور لیا تھا۔ وہ بھی اس نے خود پیش کش کی تھی۔

”اس نے خود پیش کش کی تھی اور تم نے پیش کش منظور کر لی تھی۔ فاروق۔ فرزانہ۔ اس کی میز وغیرہ کی تلاشی ہو۔ ادھر ادھر بھی چیک کرو۔ رقم ابھی یہیں ہونی چاہیے۔

وہ حرکت میں آ گئے۔ اور پھر انھوں نے نوٹوں کا

سے برآمد کیا۔ پکیٹ

ہزار ہزار روپے کے نوٹوں والا تھا۔

”اب کیا کہتے ہو دوست۔ یہ رقم یہاں کہاں سے آ گئی۔ انھوں نے کہا۔

اس کا چہرہ سفید پڑ گیا۔

”جلدی تفصیل سنا دو۔ ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔

”ایک صاحب آئے تھے۔ انھوں نے یہ رقم مجھے دی تھی

اور زہر کی ایک پڑیا بھی۔ اور کہا تھا کہ یہ زہر میں ان دو

قیدیوں کی چائے میں ملا دوں۔ میں لاپچ میں آ گیا۔ اس نے کہا اور رونے لگا۔

”اب دونے کا کیا فائدہ۔ یہ کام کرنے سے پہلے ردنا چاہیے تھا۔ فاروق نے منہ بنایا۔

”اس آدمی کا حلیہ کیا تھا؟

”بے قد کا چوڑا چکلا آدمی تھا۔ زیادہ غور سے تو میں نہیں دیکھ سکا تھا۔

”لبا قد، چوڑا چکلا جسم۔ کوئی اور بات یاد کرنے کی کوشش کرو تا کہ ہمیں مدد مل سکے۔

وہ سوچ میں ڈوب گیا، آخر بولا:

”اے! یاد آیا۔ اس کی ٹانگ کی نوک پر ایک سرخ رنگ

کا تیل تھا۔

”کیا تم بُورے یقین سے کہتے ہو؟ انگریز جیشہ بولے
”جی ہاں بالکل!“

اس کے بارے میں ہدایات دے کر قوم و فترے
بیکل آئے :

”اکرام! اس جیلے کا آدمی ذہن میں ہے؟“
”نہیں سر۔ ریکارڈ چیک کرنا ہوگا۔“

”اچا تو تم ریکارڈ چیک کرو، اگر کوئی بات معلوم ہو تو مجھے اطلاع دینا۔ ہم لوگ جاسا اینڈ کوئیک جا رہے ہیں۔“
”او کے سر۔“

وہ خان رحمان کی کار میں جاسا اینڈ کو کے دفتر پہنچے۔
تعارف کرایا گیا تو مینجر کے چہرے پر حیرت دوڑ گئی:
"خیر تو ہے جناب؟ اس نے کہا۔"

آپ کا نام کیا ہے؟ انیکٹر جمید نے جیسے اس کا سوال سنا ہی نہیں۔

”میں لارڈی ہوں۔“

”سٹر ہارڈی۔ آپ اس فرم میں کب سے ملازم ہیں؟
 ”بیس سال سے۔“ اس نے کہا۔

"میں سال کافی عرصہ ہے۔ آپ کو یاد ہو گا، آپ کی

pk7e@hotmail.com اردو فیتز کے لیے یہی تعمیر گی تھی؟

”آپ وزیرِ خارجہ صاحب کی بات کر رہے ہیں۔“

ہاں! لیکن اس وقت وہ سیکڑی وزیر خارجہ تھے۔

”جی ہاں! میں جانتا ہوں۔ ان کی کوٹھی ہماری فرم نے
 ہی تعمیر کی تھی۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے۔ تو پھر اس
 نے سوالیہ انداز میں کہا۔

”یہ تو پھر ذرا میٹر کا مسئلہ ہے۔“ فاروق بول اٹھا۔

ایسکروٹھینڈ نے اس پر ایک تیز نظر ڈالی اور بولے :
 ”جن کاریگروں نے سڑکی تعمیر کی تھی۔ مجھے ان کی
 مکمل تفصیل چاہیے۔“

”بات کیا ہے جناب؟“

”بات آپ کو نہیں بتائی جاسکتی۔ ہم معلومات حاصل کرنے آئے ہیں نہ کہ دینے۔“

اور اس میں وقت گئے گا۔ آپ تشریف لے جائیں، ریکارڈ
نکال کر آپ کو بیچ دوں گا۔ اس نے جلدی جلدی کہا۔

”نہیں جناب۔ یہ نہیں ہو سکتا۔“

جی۔ کیا مطلب۔ کیا نہیں ہو گا؟

”ہم یہیں بیٹھیں گے۔“

”آپ کو بہت دیر تک بیٹھنا پڑے گا۔“

"پتا نہیں کیا چکر ہے۔ خیر۔ آپ بھی جائیں جناب۔" اس نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

وہ چلے گئے۔ انیکٹر جمشید دنیو وہیں بیٹھے رہے :
"آخر آپ بتا کیوں نہیں دیتے کہ کیا معاملہ ہے؟"
"آپ کو بھی اس وقت تک انتظار کرنا پڑے گا، جب تک کہ ہمیں۔" انیکٹر جمشید مکرانے۔

"اوہ! اس نے منہ بنایا۔"

"اس کمپنی کے مالک کون ہیں؟"

"مسٹر مارش۔ یہاں نہیں رہتے۔ سال میں ایک دو چکر لگا لیتے ہیں۔"

"ہوں! ان کا پتا؟"

"میں ان کا کارڈ دے دیتا ہوں آپ کو۔"

"یہ ٹھیک رہے گا۔ وہ خوش ہو کر بولے۔"

اس نے میز کی دراز میں سے کارڈ نکال کر دے دیا۔
انہوں نے دیکھا۔ کارڈ پر انشاد جہ کا پتا درج تھا۔ گویا یہ پوری قوم غیر ملکی تھی۔

وہ گھٹنے بعد محمود اور فاروق کلرک کے ساتھ واپس آئے:

"یہ رہیں تمام تر معلومات۔ اس کوٹھی کی تعمیر کے سلسلے میں۔ کلرک نے پوری ایک فائل ان کے سامنے رکھ دی۔"

"پروانہ کریں۔ ہم اس کام کے عادی ہیں۔"

"اچھی بات ہے۔ میں ابھی اس کام پر آدمی لگاتا ہوں۔"

"شکریہ اؤہ بولے۔"

اس نے گھنٹی بجائی، کلرک نما ایک آدمی اندر داخل ہوا:

"ہمدادی فرم نے شیخ خالد ابراہ کی کوٹھی تعمیر کی تھی۔ اس کا مکمل ریکارڈ چاہیے۔"

"جی بہتر! یہ کد کر دہ جانے لگا۔"

"ایک منٹ۔ اس کام میں کتنا وقت لگ جائے گا؟"

"قریباً ایک گھنٹہ۔"

"کیوں جناب! آپ ایک گھنٹہ انتظار کر سکیں گے؟"

"ہاں! کیوں نہیں؟"

"ٹھیک ہے۔ ریکارڈ نکال لاؤ۔ اس نے کلرک سے کہا۔"

"ایک منٹ۔ میرے یہ دو بچے بھی آپ کے ساتھ جائیں گے۔ انہوں نے محمود اور فاروق کی طرف اشارہ کیا،

وہ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔"

"اس کی کیا ضرورت ہے؟ ہارڈی نے الجھن کے عالم میں کہا۔"

"ہم دراصل کچھ زیادہ ہی احتیاط سے کام لینے کے

ورد نہ آپ کی فرم بند کرا دی جائے گی۔ انیکٹر جمشید نے سرد
آواز میں کہا۔

"میں آپ کو فائل دے رہا ہوں جناب۔ لیکن آپ یہ
بھی سن لیں۔ کہ میں مسٹر مارش سے آج ہی فون پر بات
نکروں کا اور انھیں ساری صورت حال بتاؤں گا۔"
"یہ آپ کا فرض ہے۔ آپ کو ضرور بتانا چاہیے۔" انھوں
نے مسکرا کر کہا۔

اس نے جلد کٹے انداز میں ایک موٹا سا رجسٹر ان کے
سامنے رکھ دیا۔
"مجھے وہ رجسٹر بھی چاہیے جو یہ بتائے کہ آج کون سا
ملازم کس جگہ مصروف ہے۔"

"اسی رجسٹر سے یہ بات بھی معلوم ہو جائے گا۔"
"بہت خوب۔ میں یہ رجسٹر اور فائل لے جا رہا ہوں۔"
"آپ ان کی رسید دے دیں۔"
"ہاں! ضرور کیوں نہیں۔"

انھوں نے دید کہ دی اور دونوں چیزیں لے کر جانے کے
لیے مڑے۔

"آپ نے اب تک یہ نہیں بتایا کہ معاملہ کیا ہے۔"
"معاملہ۔ اوہ ہاں۔ یہ تو میں سمجھ رہا ہوں۔ خیر سن لیں،

انیکٹر جمشید نے وہیں فائل کا مطالعہ شروع کر دیا۔
پھر بولے:

"میں ان تمام کاری گروں اور مزدوروں کے ملاقات
کرنا چاہتا ہوں۔"
"یہ کیسے ہو سکتا ہے جناب۔"

"کیوں! ہو کیوں نہیں سکتا۔ انیکٹر جمشید نے اسے گھورا۔
"کافی عرصہ پہلے کوٹھی بنائی گئی تھی۔ نہ جانے کتنے مزدور
اور کاری گر ملازمت چھوڑ کر جا چکے ہوں گے۔ اور ان کی جگہ
دوسرے رکھے جا چکے ہوں گے۔"
"جیسے مزدور اور کاری گر ملازمت میں موجود ہیں، ان سے
تو ملاقات کرائی جاسکتی ہے۔"

"ان سے کوئی فوری طور پر ملاقات ممکن نہیں۔"
"وہ کیوں؟"

"اس لیے کہ شہر میں ہماری فرم اس وقت کئی عمارات بنوا
رہی ہے، کوئی کہیں کام کر رہا ہوگا، کوئی کہیں۔"
"شکریہ! آپ اپنے تمام عہدین کا ریکارڈ پیش کریں۔" انھوں
نے کہا۔

اس نے کہا کہ تمام عمارات بنائے ہوئے ہیں۔

اردو فینز کے لیے یہ عمل کرنا ہو گا۔ pk7e@hotmail.com

”کیا کیا جائے، مجبوری ہے۔“

”خیر۔ لے آؤ کھانا۔ ہمارے ساتھ پروفیسر صاحب بھی ہیں اور ان کی بھوک یقیناً چمک اٹھی ہوگی۔“

”واہ! کیا بات کہی جشید! پروفیسر داؤد خوش ہو کر بولے۔“

کھانے سے خارج ہو کر ابھی انھوں نے داخل اور رجسٹر

کھولنے ہی تھے کہ فون کی گھنٹی بجی۔ انھوں نے فوراً ریسور اٹھایا،

دوسری طرف کی آواز سننے ہی وہ زور سے چونکے۔

شیخ خالد ابرار صاحب کی کوٹھی کی تعمیر کے سلسلے میں آپ کی ذم نے

یا آپ کی ذم کے کاری گروں نے کچھ ہیرا پیری کی ہے۔“

”نہیں جناب! یہ غلط ہے، ہماری ذم بہت مشہور ہے،“

آج تک اس سے کسی کو کوئی شکایت نہیں ہوئی۔“

”تو پھر سمجھ لیں۔ آج شکایت ہو گئی۔ وہ مکرانے۔“

”بہت جلد آپ کی غلط فہمی دور ہو جائے گی۔“

”اگر ایسا ہوا تو میں آپ کو مبارک باد دوں گا۔ وہ مکرانے۔“

”شکریہ جناب۔ اس نے جل کر کہا۔“

دونوں چیزیں لے کر وہ گھر آئے۔ یہاں بیگم جشید کا پارہ

بہت چڑھا ہوا تھا:

”خیر تو ہے بیگم؟ انیکٹر جشید نے گھبرا کر کہا۔“

”تین بار کھانا گرم کر چکی ہوں۔“

”اب آپ کو بڑے سائز کے ہاٹ پاٹ لانا کر دینا ہی

پڑیں گے۔ انیکٹر جشید نے سر دھو کر بھری۔“

”ان سے بھی کام نہیں چلے گا۔ انھوں نے تہلکا کر کہا۔“

”وہ کیوں؟“

”میں کھانا اپنے غصے کو ٹھنڈا کرنے کے لیے گرم کرتی ہوں۔“

”اوہ! گویا جتنی مرتبہ غصہ آتا ہے، اتنی ہی مرتبہ تم کھانا

گا۔ انھوں نے جلدی جلدی کہا اور سلسلہ کاٹ دیا۔

"آئی جی صاحب کا فون تھا۔ جاسا اینڈ کو کے بارے میں معلوم کرنا چاہتے تھے۔"

"لوہ! تو یہ لوگ آپریشن گئے۔"

"اتنے بڑے کام بغیر کسی مضبوط سہارے کے تو نہیں کیے جاسکتے۔"

"لیکن آبا جان! معاملہ بھی تو وزیر خارجہ صاحب کا ہے۔ کیا جاسا اینڈ کو کو معاف کیا جاسکتا ہے؟"

"میں اس بارے میں کچھ نہیں کر سکتا۔ ہاں! میں جو بات کر سکتا ہوں۔ وہ تم بے شک مجھ سے پوچھ لو۔ وہ سکرانے۔"

"پہلے پھر وہی بتا دیں۔" محمود سکرایا۔

"میں یہ بات کر سکتا ہوں کہ اب میں شہر میں بلکہ پورے ملک میں جاسا اینڈ کو کا کہیں نام و نشان نہیں دہنے دوں گا۔"

"جی کیا مطلب؟"

"بس مجھ سے اس بات کا مطلب نہ پوچھو۔"

"پہلے نہیں پوچھتے۔ فاروق نے خوش ہو کر کہا۔"

"اس میں اس قدر خوش ہونے کی کیا بات ہے؟ فرزانہ نے اسے گھورا۔"

انگوٹھی

"السلام علیکم جمشید۔ بھئی یہ جاسا اینڈ کو کا کیا معاملہ ہے؟ دوسری طرف آئی جی شیخ نثار احمد تھے۔"

"کیوں سر۔ خیر تو ہے؟ انپکٹر جمشید حیرت زدہ انداز میں بولے۔"

"پہلے تم بتاؤ نا۔ کیا معاملہ ہے؟"

"شیخ خالد ابرار صاحب نے کچھ سال پہلے اس کمپنی سے اپنے لیے کوٹھی تعمیر کرائی تھی، اس کی تعمیر کے دوران کچھ خوف ناک قسم کی غلطی کی گئی تھی۔"

"کیا مطلب؟ آئی جی چونکے۔"

"انھوں نے کوٹھی کے نیچے بنائے جانے والے تہ خانے اور سڑنگ کی تفصیل سنا دی۔"

"یہ خبر میرے لیے بہت حیران کن ہے۔ اس خبر کی روشنی میں پھر ہمیں فون کروں۔"

میری اپنی بھودیاں ہیں، ایک حکم جب اُدپر سے ملتا ہے، تو اس پر عمل کرنا پڑتا ہے، ذکر کریں تو ملازمت سے باہر۔
"تو آپ ملازمت کی پروا کیوں کرتے ہیں؟" انپکٹر جمشید نے کہا۔

"اس سے بھی تو کوئی فرق نہیں پڑے گا جمشید۔ فرض کرو، میں ملازمت کی پروا نہیں کرتا اور استعفیٰ دے دیتا ہوں۔ وہ میری جگہ ایسا آدمی لے آئیں گے، جو فوراً ان کے حکم کی تعمیل کرے گا۔ اس طرح ملک اور قوم کو کیا فائدہ پہنچے گا جیلا۔ ہمارا کام تو یہ سوچنا ہے۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ اب آپ میری چند باتیں سن لیں۔ ضرور۔ کیوں نہیں جمشید؟ انھوں نے اطمینان کا سانس لے کر کہا۔

"یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ شیخ خالد اہلکار کی کوششی کے نیچے تہ خانہ اور سرنگ جاسا اینڈ بونے بنوائی تھی، لیکن صاف ظاہر ہے، ایسا انھوں نے اپنی مرضی سے نہیں کیا تھا۔ آپ مجھے ان سے اتنا پوچھنے کا حق تو دیں کہ ایسا کرنے کے لیے انھیں کس نے کہا تھا؟"

"اوہ ہاں! یہ بہت ضروری بات ہے جمشید۔ میرا خیال ہے، یہ پوچھنا ہمارا قومی اور ملکی حق ہے اور ہم ان سے یہ

"میں سمجھ گیا۔ اباجان کیا کہنا چاہتے ہیں؟
"اچانک فون کی گھنٹی بجی، انھوں نے چونک کر دیپور اٹھایا دوسری طرف سے آئی جی صاحب کی گواہ سنائی دی۔
"ہاں جمشید۔ تم اپنی جگہ پر بالکل سچے ہو، لیکن جاسا اینڈ کو کی پشت پر کچھ بہت طاقت ور لوگ موجود ہیں۔ اس لیے اس کے خلاف کارروائی روک دو۔ شیخ صاحب کی کوششی کو سازش کے جال سے پاک کر دو اور بس۔ آئندہ وہاں ہونے والی گفتگو کوئی نہ سن سکے۔ ہم بس اتنا چاہتے ہیں۔
"لیکن سر۔ اس وقت تک ہمارے ملک کے کتنے راز ان کی اس گڑ بڑ کی وجہ سے ادھر سے ادھر ہو چکے ہیں۔ یہ بھی تو سوچیے۔"

"طاقت ور لوگ۔ جو جاسا اینڈ کو کی پشت پر ہیں، معافی مانگ رہے ہیں اور ہماری حکومت سے یہ وعدہ کر رہے ہیں کہ آئندہ اس قسم کی کوئی بات نہیں ہوگی۔ کیا یہ بات کم ہے؟
"میرے نزدیک تو یہ بات ہی نہیں۔ اس لیے کہ ہرم ہو چکا ہے۔ اور ہم ان لوگوں کے لیے عام معافی کا اعلان کر رہے ہیں۔ انپکٹر جمشید نے ناخوش گوارہ لہجے میں کہا۔

لیکن میں کیا کروں، اردو فینز کے لیے pk7e@hotmail.com

ہے، آپ محسوس نہیں کریں گے؟

”اگر میں نے کوئی حرج محسوس نہ کیا تو فوراً جواب دے دوں گا۔“

”یہ بات تو آپ لوگ مان چکے ہیں کہ شیخ خالد ابرار کی کوٹھی کے نیچے تو خانہ اور سرنگ آپ کی فرم نے ہی بنوائے تھے۔“

”اں! یہ ٹھیک ہے۔ اس نے کہا۔“

”بس! صرف اتنا بتا دیں کہ یہ کام آپ سے کس نے لیا تھا؟“

”دیکھیے جناب! یہ بتانا بہت مشکل ہے۔“ سٹر ہارڈی نے گہرا کر کہا۔

”شکل ہے تو کیا ہوا۔ نامکمل تو نہیں ہے۔ یہ تو آپ بتا ہی دیں۔“

”اچھا میں ریکارڈ چیک کرتا ہوں۔ آخر اس نے ہمارے مان کر کہا۔“

”شکریہ! انیکٹر جمشید بولے اور وہ کمرے سے نکل گیا۔ پندرہ منٹ بعد وہ واپس آیا۔“

”مجھے افسوس ہے جناب۔ یہ بات ہماری فرم کو بھی نہیں معلوم کہ یہ کام کس نے کرایا تھا۔“

سوال ضرور کریں گے، لیکن میں تمہارے ساتھ بچوں لگاؤ۔

”ضرور چلیے سر۔ انیکٹر جمشید بولے۔“

”پچھلے تین فون پر سٹر ہارڈی نے بات کر لوں؟ یہ کڑک انھوں نے سلسلہ کاٹ دیا۔“

تین منٹ بعد پھر فون کی گھنٹی بجی۔ آئی بی صاحب نے انھیں بتایا:

”ہم ابھی اور اسی وقت وہاں جا رہے ہیں جمشید۔ آپ لوگ فوراً میرے پاس پہنچ جائیں۔“

”کیا آپ نے انھیں بتا دیا سر، ہمیں ان سے کیا پوچھنا ہے؟“

”نہیں! وہ بولے۔“

”بہت خوب۔ انیکٹر جمشید نے خوش ہو کر کہا۔“

”وہ جاسا اینڈ کو پیسے۔ ہارڈی نے پرجوش انداز میں ان کا استقبال کیا۔“

”ہمارے ایسے نصیب کہاں سر۔ کہ آپ لوگ تشریف لاتیں۔“

”چلیے۔ اب تو آگئے۔ فاروق مسکرایا۔“

”جی کیا مطلب؟“

”جج۔ جی کیا مطلب؟“

اردو فیکٹر کے لیے pk7e@hotmail.com

سے بنوایا گیا تھا۔ بنوانے والے نے اپنے دستخط یہ کیے ہیں۔ آپ دیکھ لیں۔ اس نے نقد رقم ادا کر کے ڈرافٹ بنوایا تھا۔ اس شخص کا اکاؤنٹ ہمارے بنک میں نہیں تھا۔
 "اوہ! اس کا مطلب ہے۔ ہم اس آدمی کا ٹریلر نہیں کر سکتے۔"

"جی۔ جلا میں کیا کر سکتا ہوں۔ جو بتا سکتا تھا، وہ بتا دیا۔"

"اور چونکہ معاہدہ کئی سال پہلے کا ہے۔ اس لیے بنک کا آدمی اس کا علیحدہ بھی نہیں بتا سکتا۔"

"میں اسے یہیں بلا لیتا ہوں۔ شاید اس کی یادداشت کام دکھا دے۔ اگرچہ یہ بہت مشکل ہے، کیونکہ وہ تو روزانہ جانے کتنے آدمیوں کے ڈرافٹ بناتا ہے۔
 "خیر۔ اسے بلا تو لیں۔"

جلد ہی ان کے سامنے ایک پتلا دبلا اور چھوٹے سے قد کا آدمی بیٹھا تھا، لیکن وہ اس کی آمد سے پہلے ہی مایوسی محسوس کر چکے تھے اور یہی خیال تھا کہ اس سے کچھ بھی معلوم نہیں ہو سکے گا۔

"ہم آپ سے ایک ایسی بات معلوم کرنا چاہتے ہیں جو کہ نہیں کرنا چاہیے۔ انیکٹر جیٹہ شرمندہ لمحے میں بولے۔

"کیا مطلب۔ یہ کیا بات ہوئی۔"

"ہماری فرم پیر کمانے پر یقین رکھتی ہے۔ جہاں معاملہ کمائی کا آئے گا۔ وہاں فرم سے چاہے کوئی شرط بھی منوائی جا سکتی ہے۔ جب شیخ صاحب کی کوٹھی کی تعمیر شروع ہوئی تو کسی نامعلوم آدمی نے ایک بہت بڑی پیش کش کے ذریعے یہ کام کر دیا تھا۔ رقم بھی اس نے خفیہ طور پر ادا کی تھی۔ یعنی بنک ڈرافٹ کے ذریعے۔ کام کی تفصیلات بھی اس نے فون پر بتائی تھیں۔"

"ہوں! اس طرح آپ کا کام آسان ہو گیا اور ہمارا مشکل۔
 "جی۔ کیا مطلب؟"

"آپ اس ڈرافٹ کی تفصیل بتا دیں، کس بنک کا تھا، کتنے کا تھا، کس تاریخ کا بنوایا ہوا تھا؟
 "مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ یہ معلوم کریں گے، خیر میں ڈرافٹ کی تفصیل نکلوا دیتا ہوں۔
 "شکریہ جناب۔"

ڈرافٹ کے بارے میں معلومات مل کر وہ اس بنک پہنچے۔ مینجر سے ملاقات کی گئی۔ تفصیلات ان کے سامنے رکھی گئیں۔ اس نے ریکارڈ منظر لکھوایا۔ اور آخر کار۔

ڈرافٹ ہمارے لیے اردو فیکٹر کے لیے pk7e@hotmail.com

یہ کہ وہ اپنی ایک چیز بھول گیا تھا۔ جو آج تک میں نے امانت کے طور پر اپنے پاس رکھی ہوئی ہے۔ اس انتظار میں کہ شاید وہ کبھی آکر مانگ لے گا۔

”اوہ۔ اوہ۔ آپ تو بہت کام کے آدمی ثابت ہوئے، مہربانی فرما کر فوراً اس کا حلیہ بتائیں۔ محمود۔ علیہ نوٹ کر لو۔“

”وہ لمبے قد کا آدمی تھا، جسم اس کا چوڑا چکلا تھا۔
اور خاص بات یہ کہ اس کی ناک کی نوک پر ایک سرخ
تیل تھا۔“

”کیا!؟“
وہ ایک ساتھ اُچھلے۔



چند لمحے تک ان پر سکتے کی حالت طاری رہی، کیونکہ
اس نے جو علیہ بنایا تھا، وہی علیہ اس شخص کا تھا جو
حوالات میں زہر دینے کے لیے آیا تھا۔ مابد اور پولو کو
اس نے موت کے گھاٹ اتارا تھا۔
”ہمارے لیے یہ ایک حد درجہ قیمتی اطلاع ہے۔“

”یہ کیا بات ہوئی جناب۔ آپ بلا تکلف پوچھیے۔ جو بات میرے علم میں ہوئی۔ ضرور بتاؤں گا۔“

”بات علم کی نہیں۔ یادداشت کی ہے۔“

”اے آپ اتفاق کر لیں، میری یادداشت بہت تیز ہے۔ دوسکریا۔“

”اگر ہو اچھا۔ تو کیا آپ کو سالوں پہلے کی بات بھی یاد رہتی ہے؟“
”ہاں! لیکن شرط یہ ہے کہ وہ کوئی خاص بات ہو۔“
”ہر عام بات یاد نہیں رہتی۔“

”خیر، مضاحت کر دیتے ہیں۔ آپ کے ذریعے ایک ڈرافٹ بنوایا گیا تھا۔ ایک کروڑ روپے کا۔ نقد رقم ادا کر کے۔ اس کی تاریخ وغیرہ آپ خود دیکھ لیں۔“

اس کے چہرے پر اچانک جوش طاری ہو گیا۔ تاریخ
 وغیرہ پر نظر ڈالے بغیر اس نے فوراً کہا:

”میں نے اپنی پوری ملازمت میں ایک کروڑ روپے کا
 ایک وہی ایک ڈرافٹ بنایا تھا اور اس میں عجیب ترین بات
 یہ تھی کہ بنوانے والا نقد رقم لے کر آیا تھا۔ حالانکہ اتنی بڑی
 رقم چیک کے ذریعے ادا کی جاتی ہے۔ اس لیے وہ شخص
 اردو فیز کے لئے pk7e@hotmail.co

کی ایک انگوٹھی تھی۔ ننھی سی اور خوب صورت سی۔ اس میں ایک سرخ رنگ کا نفا سا ہیرا بگ بگ کر رہا تھا۔
"کمال ہے۔ اس قدر قیمتی انگوٹھی بیٹے بھی وہ شخص نہیں آیا۔ انیکٹر جیٹ بڑا بڑا ہے۔"

"اس بات پر تو مجھے بھی حیرت ہے۔"

"خیر جناب! ہمیں آپ کی وجہ سے بہت مدد ملی، ہم آپ کے شکر گزار ہیں۔"

"کوئی بات نہیں جناب، قانون کی مدد کرنا تو میرا

فرض ہے۔"

وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور وہاں سے سیدھے گھر آئے۔
اکرام کو بھی وہیں بلا لیا گیا، یونہی وہ پہنچا، انیکٹر جیٹ بولے:
"اکرام! علیہ سُنو۔ لمبا قد، چوڑا چکلا جسم، ناک کی نوک پر سرخ رنگ کا تل؟"

اکرام سوچ میں ڈوب گیا، پھر اس نے نفی میں سر ہلا دیا:

"جی نہیں۔ میری یادداشت کے دیکارڈ میں یہ ٹھیلہ موجود نہیں ہے۔"

"تب پھر تحریری دیکارڈ چان مارو اکرام۔ یہ بہت ضروری ہے۔"

"میں ابھی جاتا ہوں۔ اور اپنے خاص ماتحتوں کو دیکارڈ

ہم آپ کے بے حد شکر گزار ہیں۔ اب آپ وہ چیز بھی دکھا دیں۔"

"میں ابھی لے کر آتا ہوں۔ یہ کڑ کر وہ جانے لگا، ایسے میں فزاد ہل اٹھی۔"

"ہو سکتا ہے۔ وہ کوئی بہت اہم چیز ہو۔ اس لیے۔ انھیں اکیلے پہننا ٹھیک نہیں ہو گا۔"

"اوہ ہاں! محمود، فاروق تم ان کے ساتھ جاؤ۔ انیکٹر جیٹ بولے۔"

"لیکن جناب۔ وہ چیز تو بنگ میں ہی موجود ہے۔ پھر بھی آپ انھیں ساتھ لے جائیں۔"

"ٹھیک ہے۔ آئیے جی۔"

وہاں اس کے ساتھ چلے گئے۔ یہ بے چینی سے انتظار کرنے لگے، آخر تینوں واپس آتے بنگ ملازم نے کافہ میں بیٹھ کر کوئی چیز ان کی طرف بڑھا دی اور بولا:

"آپ دسے دیکھ لیں، امانت کے طور پر رکھ بھی سکتے ہیں، لیکن اگر وہ شخص میرے پاس آیا تو آپ کو یہ چیز واپس

کرنا ہو گی، کیونکہ میں کسی کی امانت میں خیانت نہیں کر سکتا۔ بالکل ٹھیک۔"

اردو فیکٹر کے لیے یہ نو نکالا۔ وہ میرے pk7e@hotmail.com

”تب پھر۔ اگر تمہارے ذہن میں کوئی ترکیب ہے تو دے،
بتا دو۔“ فرزانہ نے اسے گھورا۔

”یہی تو شکل ہے۔ ادھر ترکیبوں کا نفاذ ہے۔ تمہارے دماغ
کو کیا ہوا؟“

”میں پچھلے ہی کافی دیر سے کوئی ترکیب سوچنے کی کوشش
کر رہی ہوں۔“

”تو پھر۔ جلدی سے سوچ ڈالو۔ ورنہ سارے شہر کی ناک
تو کیس گنتی نہیں۔“ فاروق نے جل جھن کر کہا۔

”دونوں سکرا دیے، اُسی وقت فرزانہ اُچھلی،
”وہ مارا۔ ایک عدد ترکیب سمجھ میں آ گئی۔“

پر لگتا ہوں۔“

”شکریہ۔ دوسرا کام یہ کرو کہ اہم ترین آدمیوں کو شہر
میں پھیلا دو۔ جہاں بھی کوئی سُرخ تل والا نظر آئے، اس
کی نگرانی شروع کر دی جائے اور ہمیں فوراً اطلاع دی جائے،
نگرانی اور تعاقب کے سوا اور کوئی قدم نہ اٹھایا جائے۔“
”او کے سر۔ اکرام یہ سز کر چلا گیا۔“

”اب تم تینوں بھی حرکت میں آ جاؤ اور ہم تینوں بھی۔“
انسپکٹر جشید بولے:

”جی۔ کیا مطلب؟“

”ایک گاڑی لے کر تم نکل جاؤ۔ دوسری میں ہم۔ جب تک
ہم سُرخ تل والے کو تلاش نہیں کر لیتے، اس وقت تک کامیابی
حاصل نہیں کر سکیں گے۔“

”تجویز بہت خوب ہے۔ محمود نے پرجوش انداز میں کہا۔

”اُسی وقت وہ دو گاڑیوں میں روانہ ہو گئے۔“

”کیا ہم اس طرح سُرخ تل والے کو تلاش کر لیں گے؟“
فاروق کے لیے میں الجھن تھی۔

”کچھ کہ نہیں سکتے۔ فرزانہ بڑبڑاتی۔“

”بھئی ذرا غور کرو۔ اتنا بڑا شہر ہے۔ لاکھوں آدمی ہیں۔“

”کو دیکھتے پھر رہے گے۔“
اردو فینز کے لئے pk7e@hotmail.com

سے متعلق ہر شخص سے یہ سوال پوچھنا چاہیے کہ کیا وہ کسی سُرخ
تِل والے کو جانتے ہیں؟

”ترکیب بُری نہیں، یہ کرینا چاہیے، خان رحمان نے
ان کی تائید کی۔“

”ہاں! میں بھی یہی کہتا ہوں۔“

انپکٹر جمشید بولے اور پھر کار نے رفتار پکڑ لی، سب سے
پہلے وہ وزیرِ خادجہ شیخ خالد ابراہم کے پاس پہنچے۔ وہ انہیں دیکھ کر
فکر مند انداز میں مسکراتے:

”مجھے معلوم ہو گیا ہے۔ آپ لوگوں کی تفتیش کے راستے میں
روڑے اٹکاتے جا رہے ہیں۔“

”آپ ان روڑوں کی پروا نہ کریں، ایسے روڑے ہٹانے
کے ہم لوگ بہت ماہر ہیں۔ آپ ہمیں یہ بتائیں، کیا کسی
ایسے شخص کو جانتے ہیں جس کی ناک کی نوک پر سُرخ تل
ہو؟“ انپکٹر جمشید نے کہا۔

”سُرخ تل! ان کے منہ سے قدرے حیرت زدہ انداز
میں نکلا۔“

”جی ہاں! سُرخ تل۔“

”مجھے ایسا یاد پڑتا ہے۔ کہ میں نے ایسے کسی شخص کو دیکھا
ضرور ہے۔ کہاں دیکھا ہے، یہ بالکل یاد نہیں آ رہا۔“

اہم اعلان

”خان رحمان! ہمیں کس طرف چلنا ہے؟“ انپکٹر جمشید نے
ان سے جلد ہونے کے بعد کہا۔

”بھئی! یہ تم بتاؤ۔ سُرخ رساں تم ہو کہ میں یا پروفیسر
صاحب؟“ خان رحمان بولے۔

”اب ہم ایک ہی رنگ میں رنگ گئے ہیں۔ پروفیسر صاحب
اس وقت ایک سائنس دان ہیں اور نہ تم ایک ریٹائرڈ فوجی۔
بلکہ سُرخ رساں بن گئے ہیں۔“ انپکٹر جمشید مسکراتے۔

”بلکہ جمشید! میں تو محسوس کرتے لگا ہوں۔ کبھی سائنس دان
تھا ہی نہیں۔ پروفیسر داؤد نے فوراً کہا۔“

دونوں ان کی بات پر مسکراتے بغیر نہ رہ سکے۔

”تب پھر پروفیسر صاحب آپ بتائیں۔ اس سُرخ تل والے
کی تلاش میں ہمیں کہاں جانا چاہیے؟“

اردو فیکر کے لیے چاہیے کہ اس کیس
pk7e@hotmail.com

”تو پھر ذہن پر زور ڈالیے۔ یاد آ جائے تو ہمیں بتادیں،
یہ بہت اہم کام ہے۔“

”میں کوشش کروں گا۔ اس نے کہا۔
وہ دہاں سے جی بنگل آئے۔ ایسے میں انپیکٹر جمشید بولے:
”ہم ایک آدمی کو بھول رہے ہیں۔“ یہ کہتے وقت انپیکٹر جمشید
سکراتے جی۔

”اسے بھی بھولنے کی کیا ضرورت ہے؟“ پروفیسر ڈاؤڈ بولے۔
”انپیکٹر جمشید اس پولیس اسٹیشن پہنچے جس کی حالات میں ماجد
اور یوگو کو رکھا گیا تھا اور پھر حالات میں ان دونوں کو زہر
دے دیا گیا تھا۔ پولیس اسٹیشن کا حملہ پریشان ہو گیا۔ انچارج
دوڑا آیا:
”اس ننگوان کو بلائیں۔ جس نے ان دونوں کو چائے
دی تھی۔“

”ج۔ جی بہتر۔“
جلد ہی وہ ننگوان ان کے سامنے موجود تھا:
”تم نے اس شخص کا کیا علیہ بتایا تھا۔ جو زہر دے
گیا تھا۔“

”ابا چوڑا آدمی تھا اور اس کی ناک کی نوک پر سرخ
تلی موجود تھا۔“

”اوہ! مہربانی فرما کر یاد کرنے کی کوشش کریں، کیونکہ
اس شخص کا آپ کے معاملے سے بہت زبردست تعلق ہے۔
اگر ہم اس آدمی کو تلاش کر لیتے ہیں تو اس بات کی زبردست
امید کی جاسکتی ہے کہ اصل مجرم تک پہنچ جائیں۔“
”ہوں! فکر نہ کریں۔ میں اپنی پوری کوشش کروں گا۔“
”شکریہ جناب! جو نہی آپ کو یاد آئے، آپ فون کر دیں۔“
”اچھی بات ہے۔“

”دوسری بات۔ آپ اپنے گھر کے ہر فرد سے بھی یہ سوال
کریں۔ شاید انہیں یاد آ جائے۔“
”اچھی بات ہے۔ میں ایسا بھی کروں گا۔“
اب وہ جاسا اینڈ کو کے دفتر پہنچے، ایک بار پھر لارڈی
سے ملاقات کی۔ انپیکٹر جمشید نے اس کی طرف بنور دیکھتے
ہوتے کہا:

”کیا آپ کسی ایسے شخص کو جانتے ہیں جس کی ناک کی
نوک پر سرخ تلی ہو؟“
”ناک کی نوک پر سرخ تلی؟“ وہ بڑبڑایا۔
”جی ہاں! انپیکٹر جمشید جلدی سے بولے۔

”اس جیلے کا آدمی کہیں دیکھا ضرور ہے۔ کہاں دیکھا ہے۔“

”کیا تم نے اسے زندگی میں پہلی مرتبہ دیکھا تھا؟“

”جی۔ کیا مطلب؟“

”مطلب یہ کہ اس واقعے سے پہلے کبھی اسے نہیں دیکھا

تھا؟“

”نہیں جناب۔ کبھی نہیں۔“

”لیکن۔ میرا خیال ہے کہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔ تم

اس قدر جلد اس سے یہ سودا نہیں کر سکتے تھے۔ ضرور تم اسے

پہلے سے جانتے تھے۔“

”نہیں جناب! ایسی کوئی بات نہیں۔ اس نے مضبوط لہجے

میں کہا۔“

”اچھی بات ہے۔ میرے ساتھ چلو۔“

”جی۔ کہاں؟“

”میرے دفتر۔ میں تم سے وہاں پوچھ گچھ کروں گا۔“

”م۔ میں سچ کہتا ہوں۔ مجھے اس کے بارے میں پہلے

سے کچھ معلوم نہیں۔“

”تمہیں میرے ساتھ چلنا ہے۔ انھوں نے غرا کر کہا۔ وہ

سم گیا۔“

وہ اسے لے کر دفتر آئے۔ محمد حسین آزاد کو اس کے بارے

اردو فینز کے لیے pk7e@hotmail.com بیس منٹ بعد وہ

اسے واپس لے آیا۔ اس کا پورا جسم پیسنے میں ڈوبا ہوا تھا:

”نہیں سر۔ یہ جھوٹ نہیں بول رہا۔ اسے واقعی سرخ

تیل والے کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔“

”اچھی بات ہے۔ اس کے انچارج کو فون کر دو۔ اگر اسے

لے جائے۔ یہ کہہ کر وہ پھر کار میں بھل کھڑے ہوئے:

”اب کیا کریں۔ سرخ تیل والے کا سراغ ابھی تک

نہیں لگا سکے؟“

”ہم اس انگوٹھی کو بھول رہے ہیں جمشید، یہ انگوٹھی عام نہیں

ہے۔“ پروڈیوسر داؤد بولے۔

”اوہ ہاں۔ واقعی۔ شاید آج میرا دماغ سو رہا ہے۔“

”کوئی بات نہیں جمشید۔ اس بے چارے کو آرام کر ہی

لینے دو۔ ہم وعدہ کرتے ہیں، جب تک یہ سویا رہے گا۔

میں اور پروڈیوسر صاحب اپنے اپنے دماغ کو جگائے رکھیں گے۔“

”شکریہ خان رحمان! مجھے تم سے یہی امید ہے۔“ انیسٹر جمشید

نے مسکرا کر کہا۔

اب ان کا رخ حلقہ بازار کی طرف ہو گیا۔ وہاں پہنچ

کر انھوں نے ایک ایک جوہری کو وہ انگوٹھی دکھانا شروع کی،

آخر ایک بڑے جوہری نے فوراً کہا:

”جی ہاں! یہ انگوٹھی میری دکان سے خریدی گئی تھی۔“

”اور کیا آپ خریدار کا نام بتا سکتے ہیں؟“

”امید تو ہے۔“ اس نے کہا۔

”تو پھر یہ مہربانی ضرور کریں۔“

”اس میں کچھ دیر لگ جائے گی۔ آپ فون کر کے پوچھ لیجئے گا۔“

”نہیں جناب! یہ معاملہ بہت بڑا اور اہم ہے۔ ہم بھی اور اسی وقت معلوم کر کے یہاں سے جاتیں گے۔“ انپیکٹر جھینڈنے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”بہت بہتر جناب۔ میں ابھی ریکارڈ نکالتا ہوں۔“

تھوڑی دیر بعد اس نے انہیں ایک بہت حیرت انگیز بات بتائی :

”یہ انگوٹھی ہم سے شیخ خالد ابرار صاحب نے خریدی تھی۔“

”کیا! ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔“



”چلو شکر ہے۔ کوئی ترکیب آ تو گئی دماغ میں۔ اب

جلدی سے بتا دو۔ کہیں ہنگل نہ جائے۔“ محمود نے خوش

”فکر نہ کرو۔ میرا دماغ اتنا کمزور نہیں کہ آتی ہوئی

ترکیب ہنگل جائے۔ سو۔ اس سرخ تل والے کا تعلق بہر حال

اس کیس کے اصل مجرم سے ضرور ہے۔ اور وہ اس سے رابطہ

بھی رکھے ہوتے ہوگا۔ لہذا ہم ان تمام لوگوں کے فون چیک

کرا سکتے ہیں۔“

”دماغ تو نہیں چل گیا۔“ فاروق نے ہنسا کر کہا۔

”کیوں۔ کیا بات ہے؟“ فرزانہ تھلا کر بولی۔

”ہم کن لوگوں کے فون چیک کرائیں گے۔ جلد!“

”ان تمام لوگوں کے جن کا اس کیس سے کسی نہ کسی

طرح تعلق ہے۔“

”چلو ٹھیک ہے، لیکن ہمیں کس طرح پتا چلے گا کہ ان سے

بات کرنے والوں میں سے سرخ تل والا کون سا ہے۔ کیا

ہم اس کا نام جانتے ہیں۔“

”تمہارا اعتراض درنی ہے فاروق! محمود نے اس کی تائید

کرتے ہوئے کہا۔

”لیکن تم دونوں نے ابھی میری پوری بات نہیں سنی۔“

”خیر! تم بات پوری سناؤ۔“ فاروق نے منہ بنایا۔

”بے شک! ہم اس کا نام نہیں جانتے۔ صرف جیل

جانتے ہیں۔ لیکن تم ایک بات بھول رہے ہو۔ اور جب

نے کہا۔

”گھر چل کر انتظار کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ملنے والی اطلاع تو اتنی جان بھی نوٹ کر لیں گی۔“ محمود نے منہ بنایا۔
”لیکن اب ہمارے پاس کرنے کے لیے کام ہی کیا رہ گیا ہے۔“ فاروق نے اسے گھودا۔

”کام کبھی ختم نہیں ہوتے، انسان ختم ہو جاتا ہے۔“ میرے ذہن میں ایک ہوٹل کا نام آ رہا ہے۔ ہم کچھ دیر اس ہوٹل میں گزریں گے۔ میرا خیال ہے۔ وہاں سرخ تل والا منہ آئے گا۔ محمود نے جلدی جلدی کہا۔

”یہ کیا بات ہوئی۔ کیا تم بخوبی ہو۔ یا غیب کا علم جان لیتے ہو؟“

”غیب کا علم سوائے اللہ تبارک و تعالیٰ کے کسی کو نہیں،“ قرآن کریم میں یہ بات بار بار آئی ہے۔ لہذا ایسی بات بھول کر بھی نہیں کہنی چاہیے۔ میں نے چند اندازوں کی بنیاد پر یہ بات کہی ہے۔ دیکھو نا۔ سرخ تل والا شخص ایک جراثیم پیشہ ہے اور بہت پرانا آدمی ہے، آنا پرانا کہ جب شیخ خالد ابراہم کی کوٹھی بنائی جا رہی تھی۔ اس وقت وہ جراثیم پیشہ تھا۔ ایسے پرانے اور گھاگ آدمیوں کے لیے یہاں ایک بہت پرانا اور بدنام ہوٹل موجود ہے، لیکن چونکہ پولیس والوں کو

تم میری وہ بات سن لو گے تو یہ مان جاؤ گے کہ میں بہت دور کی کوڑی لائی ہوں۔“

”پتا نہیں۔ کیا گنا چاہتی ہو؟“

”پوری بات سن لو۔ تم بنگ کے اس ملازم کو بھول رہے ہو۔ جس کی یادداشت بہت تیز ہے۔ کیا اسے اس آدمی کی آواز یاد نہیں رہی ہوگی۔ اور اس کی آواز کی تصدیق پولیس اسٹیشن کا ٹھکان بھی کر سکتا ہے۔ جس نے اس سے رشتہ لے کر دونوں قیدیوں کو نہر دیا۔“

”اب بات سمجھ میں آئی۔ واقعی ہم یہ تجربہ کر سکتے ہیں۔“

انھوں نے فوراً اکرام کو فون کیا، لیکن اکرام تو سرخ تل والے کی تلاش میں نکلا ہوا تھا، چنانچہ محمد حسین آزاد سے بات کی گئی۔ اسے ساری بات اچھی طرح سمجھائی گئی۔ احتیاطاً انھوں نے آئی جی صاحب کو بھی فون کیا، تاکہ وہ ٹیلی فون کے حکم کے انچارج سے بات کر ڈالیں۔ انھوں نے ان سب کے نام بھی بتا دیے۔ جس کے فون چیک کیے جانے تھے۔ اس کام سے فارغ ہو کر فاروق نے کہا:

”میرا خیال ہے۔ ہم اپنے حصے کا کام کر چکے ہیں۔“

کام کرتے ہیں۔“ فاروق

”اوسے باپ رے۔ اس کے منہ سے مارے ہو کلاہٹ کے نکلا۔“

”کیا مطلب اٹکل۔ یہ آپ نے اپنا خیال بتایا ہے۔ محمود کے بچے میں حیرت تھی۔“

”نہیں۔ یہ میں نے اپنے جذبات ظاہر کیے ہیں، مطلب یہ کہ وہ بہت خطرناک جگہ ہے۔“

”ہم وہاں جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔“

”مجھے ساتھ لے کر جاتیں۔ اس نے گھبرا کر کہا۔“

”تو پھر آپ وہاں پہنچے۔ ہم بھی آرہے ہیں۔“

”لو کے۔ اس نے کہا۔“

”وہ ہوٹل بولیوار کے دروازے پر پہنچے تو محمد حسین آزاد وہاں موجود تھا۔“

”آپ کو ساتھ لیے بغیر اگر اس ہوٹل میں ہم چلے جاتے تو کیا ہو جاتا اٹکل؟ فاروق نے شوخ لہجہ میں پوچھا۔“

”شاید آپ کو غائب کر دیا جاتا۔“

”اور آپ کی موجودگی میں ایسا نہیں ہو سکتا۔“

”نہیں؛ اس لیے کہ میں دفتر میں گمبھہ کر آیا ہوں کہ

کہاں جا رہا ہوں اور کیوں جا رہا ہوں۔“

”کیوں کے بعد آپ نے کیا لکھا؟“

ان کی طرف سے ہر ماہ بہت بڑا حشر مٹا ہے، اس لیے وہ قانون کی گرفت میں آ جانے سے بال بال بچ جاتے ہیں۔ ہم لوگوں کو آج تک اس کی طرف توجہ دینے کی فرصت نہیں ملی۔ بڑے بڑے معاملات ہی آنکھ آٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہیں دیتے۔ ان حالات میں کیوں نہ ہم ایک جگر اس کا لگا لیں۔ محمود روانی کے عالم میں کتا چلا گیا۔“

”تمہارا اشارہ ضرور ہوٹل بولیوار کی طرف ہے۔“ فاروق نے کہا۔

”ہاں؛ یہی بات ہے۔“

”پتا بھی ہے۔ وہ کتا خطرناک ہوٹل ہے۔“ فاروق بولا۔

”نہیں؛ آج تک جانے کا اتفاق نہیں ہوا۔“

”میں نے ایک بار محمد حسین آزاد سے اس کے بارے میں چند خوف ناک چٹلے سنے تھے۔ کیوں نہ چٹلے ان سے معلومات حاصل کر لیں۔“ فاروق بولا۔

”اس میں کوئی حرج نہیں۔ خدازہ نے فوراً کہا۔“

محمود نے محمد حسین آزاد کے نمبر ملائے، دوسری طرف سے اس کی آواز سن کر اس نے کہا:

”اٹکل؛ آپ کا ہوٹل بولیوار کے بارے میں کیا خیال

ہاں جو خانہ بھی ہے؟

"اس شہر کا سب سے بڑا جو خانہ اسی ہوٹل میں ہے۔"

"اوہ۔ تب تو ہم ہال کے بعد جوئے خانے میں بھی

جائیں گے؟"

"لیکن وہاں داخلہ صرف ممبروں کا ہوتا ہے۔"

"کیا آپ بھی نہیں لے جا سکیں گے، ہمیں؟"

"میں وارنٹ لا کر جوئے خانے کو چیک کر سکتا ہوں۔"

ویسے اندر داخل نہیں ہو سکیں گے۔"

"اس طرح تو مزا نہیں آئے گا۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ۔ اگر وہ سرخ پل والا جوئے خانے میں ہوا

تو ہم اس تک نہیں پہنچ سکیں گے۔"

"اوہ! تو آپ لوگ ٹیلی فون والے انتظام کے بعد بھی

اسی کی تلاش میں ہیں؟"

"وہ ترکیب اپنی جگہ۔ ہماری انگ گمشدگی بھی ہونی چاہیے،

تاکہ کوئی کسر نہ جائے۔"

"ہوں ٹھیک ہے۔ پہلے ہم ہال میں بیٹھتے ہیں۔ اس دوران

میں ذہن دوڑاؤں گا۔ شاید کوئی ترکیب سوچ جائے۔"

"آپ فکر نہ کریں انکل۔ یہ کام ہم فرزانہ سے لے لیں

"آپ تینوں کا ذکر کیا اور لکھا کہ آپ لوگ وہاں جانا چاہتے

ہیں۔ اس لیے میرا آپ لوگوں کے ساتھ جانا ضروری ہے۔"

"کیا ہوٹل بولیوار والے آپ سے ڈرتے ہیں؟ فرزانہ

کے لیے میں حیرت تھی۔"

"ڈرتے تو وہ اپنے باپ سے بھی نہیں۔ میں تو آپ کی

مدد کے لیے حاضر ہوا ہوں۔"

"آخر آپ ان کے مقابلے میں ہماری مدد کس طرح کریں

گے۔ جب وہ آپ کو بھی خاطر میں نہیں لاتے۔"

"بات دراصل یہ ہے کہ پولیس میں ملازمت کرنے سے

پہلے میں یہاں ملازم تھا۔ اس لیے یہاں کے کچھ راز مجھے معلوم

ہیں۔ اور کچھ کمزوریاں بھی۔ لہذا میں آپ لوگوں کے کام

آ سکتا ہوں۔"

"اب بات سمجھ میں آئی۔ فرزانہ نے خوش ہو کر کہا۔"

اب وہ اندر داخل ہوئے، محمد حسین آزاد اکیلا ہی آیا

تھا۔ اپنا کوئی ماتحت ساتھ نہیں لایا تھا۔ انھیں اس کی

دیوری پر حیرت سی ہوئی۔"

"ہمیں اندر صرف بیٹھنا ہے۔ یا کچھ اور کام کرنا ہے؟"

اس نے دہی آواز میں پوچھا۔"

"نہیں۔ یہ لیں گے۔ ویسے کیا

گئے۔ فاروق مسکرایا۔
 کیا مصیبت ہے۔ اب جوئے کے بھی لائسنس دیے جانے

وہ اندر داخل ہوئے اور سیدھے ہال میں پہنچے۔ انھوں نے دیوار کے ساتھ والی ایک میز پر بند کی۔ اس جگہ سے وہ دروازے ہال کا آسانی سے جاترہ لے سکتے تھے۔ کرسیوں پر بیٹھنے کے فوراً بعد فرزانہ بولی:

”شاید آج یہاں کچھ ہونے والا ہے۔“
 حکومت بے چاری بھی بالکل مجبور ہو کر رہ گئی ہے۔

”یہ کس طرح کہہ دیا تم نے؟“ محمود نے حیران ہو کر پوچھا۔
 دیکھتے نہیں، میرے خاص تیاریوں میں لگے ہیں۔

”کسی خاص مہمان کو آنا ہو گا؟“ فاروق نے کہا۔
 ”ہیں کیا، ہمیں تو دل چاہی ہے سُرخ تل والے سے۔“ فرزانہ نے منہ بنایا۔

”ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ہمارا یہ کہیں بس سُرخ تل والے کی ذات تک سمٹ آیا ہے۔“ محمود بڑبڑایا۔
 ”انگل! کسی طرح جوئے خانے میں نہیں جا سکتے ہم۔“ فرزانہ نے

محمد حسین آزاد کی طرف مڑی۔
 ”پہلی بات تو یہ کہ وہاں داخل صرف ممبروں کا ہو سکتا ہے، دوسری بات یہ کہ ان لوگوں کے پاس جوئے کا لائسنس ہے۔ ہم تلاش کا وارنٹ لیے بغیر اندر داخل نہیں ہو سکیں گے۔“

”آپ نے تو اچھی بجلی تقریر جھاڑ دی۔“ فاروق بولا۔
 ”میں اس وقت پیکر پر ایک آواز ابھری:

”ماضی۔ ایک اعلان سنئے۔ آج آپ کے اس
 خوب صودہ ترین ہوٹل میں ایک بہت ہی معزز مہمان

آپ نے تو اچھی بجلی تقریر جھاڑ دی۔“ فاروق بولا۔
 ”میں اس وقت پیکر پر ایک آواز ابھری:

”ماضی۔ ایک اعلان سنئے۔ آج آپ کے اس
 خوب صودہ ترین ہوٹل میں ایک بہت ہی معزز مہمان

آپ نے تو اچھی بجلی تقریر جھاڑ دی۔“ فاروق بولا۔
 ”میں اس وقت پیکر پر ایک آواز ابھری:

”ماضی۔ ایک اعلان سنئے۔ آج آپ کے اس
 خوب صودہ ترین ہوٹل میں ایک بہت ہی معزز مہمان

آپ نے تو اچھی بجلی تقریر جھاڑ دی۔“ فاروق بولا۔
 ”میں اس وقت پیکر پر ایک آواز ابھری:

”ماضی۔ ایک اعلان سنئے۔ آج آپ کے اس
 خوب صودہ ترین ہوٹل میں ایک بہت ہی معزز مہمان

تالیوں کی گونج ایک نخت رک گئی۔ سب نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کر سکتا، دروازے پر ایک شور مچا۔ امد سب کے چہرے اس طرف گھوم گئے۔ انھیں بھی دروازے کی طرف گھومنا پڑ گیا۔
 "بس بھی۔ میرا خیال ہے، اب تم اپنی بات پھر بھی کہنا؟
 فرزاد نے کہا۔

"اے! ان کے مہمان آگئے ہیں۔ سب لوگ ادھر متوجہ ہو گئے ہیں، شور مچا رہا ہے۔ اس حالت میں اپنی بات کی بے قدری ہوگی۔ اور اسلام کی کسی بات کی بے قدری ہو، یہ ہم برداشت نہیں کر سکتے، اس لیے پھر سہی۔" محمود یہ کہہ بیٹھ گیا۔

ادھر معزز مہمان کو ہاتھوں ہاتھ اندر لایا جا رہا تھا۔ انھیں یہ دیکھ کر مدد سے حیرت ہوئی کہ وہ شیخ خالد ابراہیم وزیر خادرجہ تھے۔

"حیرت ہے۔ وزیر خادرجہ اور یہاں۔ کمال ہے۔"
 محمود بڑبڑایا۔

"اتنے مصروف لوگ بھی ایسی جگہوں پر آ جاتے ہیں۔"
 فرزاد بولی۔

"پھر وہی بات! آ نہیں جاتے۔ لاتے جاتے ہیں،

آنے والے ہیں۔ ان کی آمد کے موقع پر چند رنگا رنگ پروگرام ترتیب دیے گئے ہیں۔ یہ پروگرام آپ سب حضرات بھی بغیر کسی ٹکٹ کے دیکھ سکیں گے۔ ہمیں امید ہے۔ آپ کو یہ جان کر مدد رہے خوشی ہوئی ہوگی۔ اعلان ختم ہوا۔
 اس کے ساتھ ہی ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔

"افسوس! ہمارے مسلمان یہ بھی نہیں جانتے کہ تالیوں بجانا اسلامی طریقہ نہیں ہے۔" فرزاد نے سر د آہ بھری۔
 "میں کھڑے ہو کر بتائے دیتا ہوں۔" محمود پر جوش انداز میں بولا۔

"لیکن جواب میں طنزیہ پچھلے سنے کو ملیں گے اور یہ بھی کہا جائے گا کہ اس ہوش کے مالکان مسلمان نہیں ہیں۔" فرزاد نے کہا۔

"لیکن یہاں پر موجود زیادہ تر مسلمان لوگ ہیں۔" فاروق نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ تم یہ بات انھیں بتا دو۔" فرزاد نے ہال مان لی۔

"ماضی، السلام علیکم! محمود نے اٹھنے کے بعد بلند

”پہلے کھانے پینے کا دور چلے گا۔ اس کے بعد شیخ صاحب ایک اہم اعلان کریں گے۔ تمام اخباری رپورٹر بھی موجود ہیں۔ اعلان کیا گیا۔

کھانے پینے کا پروگرام شروع ہوا۔ اس میں آدھ گھنٹہ گز گیا۔ آخر کار شیخ صاحب اٹھے۔ اور پھر مائیک کے ذریعے ان کی آواز پورے ہال میں گونجنے لگی۔

انہیں یہاں لانے کے لیے نہ جانے کتنے چکر چلائے گئے ہوں گے شیخ صاحب جب بالکل مجبور ہو گئے ہوں گے، تب انہوں نے یہاں آنے کا پروگرام بنایا ہو گا۔“

انہوں نے دیکھا، شیخ خالد ابرار کو ایک شیخ نما میز پر بٹھا دیا گیا۔ میز پر کھانے پینے کی چیزیں پہلے ہی چن دی گئی تھیں:

”اسی وقت سپیکر پر آواز گونجی:

”ہمارے آج کے معزز مہمان! اس ملک کے وزیر خارجہ شیخ خالد ابرار صاحب۔“

ایک بار پھر تالیاں گونج اٹھیں اور اس دورے کو بخیر کر کان پڑی آواز سنائی نہ دے رہی تھی۔ اس قدر پرجوش استقبال دیکھ کر وزیر خارجہ شیخ خالد ابرار بھی پھولے نہ سمارہے تھے۔

”آخر انہیں ہوٹل کیوں بلوایا گیا ہے؟“ فرزانہ بڑبڑاتی۔

”کسی غیر ملکی طاقت کو کوئی مطلب نکال ہو گا۔“ فائق نے کہا۔

”ان کے ساتھ حکومت کے کچھ اور ذمے دار لوگ بھی نظر آ رہے ہیں۔ ضرور کوئی اہم معاملہ طے ہو گا۔“ محمود نے

” لیکن جناب! وہ تو گھر پر نہیں ہیں۔ آج انہیں ہوٹل بولیوار جانا تھا۔“

” کیسی کہا۔ ہوٹل بولیوار؟ انہوں نے چونک کر کہا۔“

” جی ہاں۔ وہیں۔“

” کیا وہ اس وقت وہاں ہوں گے؟“

” بالکل جناب۔ وہاں قریباً ڈیڑھ گھنٹے کا پروگرام ہے اور انہیں یہاں سے گئے ابھی صرف پندرہ منٹ ہوئے ہیں۔“

” آؤ بھی چلیں۔“

وہ فوری طور پر ہوٹل کی طرف روانہ ہو گئے۔ ہوٹل کے باہر پہنچ کر انہوں نے کار پارک میں کھڑی کی اور صدر دروازے کی طرف آئے، لیکن دروازہ بند تھا۔ باہر بے حد ہجوم تھا۔ اور اندر بھی لوگ کچھ کچھ نظر آرہے تھے، ہوٹل کے باہر بھی ایک پیکیجنگ لگا ہوا تھا۔ اس میں سے شیخ خالد ابراہن کی کواڈ گونج رہی تھی۔

” میرا خیال ہے۔ اس وقت داخل اندازی مناسب نہیں ہو گی۔ ہم بھی باہر ٹھہر کر ان کی تقریر سن لیتے ہیں۔“

” ٹھیک ہے۔“ پروفیسر صاحب اور خان رحمان ایک ساتھ بولے۔

” حیرت ہے۔ یہاں شیخ صاحب کا کیا کام؟ پروفیسر صاحب کے منہ سے نکلا۔“

خوف کے لمحات

وہ حیرت زدہ سے، جوہری کی دکان سے باہر نکل آئے :

” جوہری کی اطلاع نے مجھے حیرت میں ڈال دیا ہے، اس کا مطلب تو یہ ہے کہ اس سرخ تیل والے کا کوئی تعلق شیخ خالد ابراہن سے ہے۔“ انپیکٹر عتیقہ نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔

” ہمیں ابھی اور اسی وقت ان کے گھر جا کر اس کے بارے میں معلوم کرنا چاہیے۔“ خان رحمان کافی بے چین تھے۔

” بالکل ٹھیک! میرا بھی یہی خیال ہے۔“ پروفیسر صاحب نے تائید کی۔

وہ تیز رفتاری سے کار چلاتے شیخ خالد ابراہن کی کونٹری پہنچے، ملازم نے ان کا استقبال کیا :

” شیخ صاحب کو اطلاع دو۔ کہ ہم آئے ہیں۔“

انہوں نے سنا، وزیرِ خارجہ کہ رہے تھے :

”مجھے یہاں آکر بہت خوشی ہوئی ہے۔ یہ دعوت غیر مسلم اقلیتوں کی طرف سے دی گئی ہے۔ خاص طور پر عیسائی برادری کی طرف سے۔ یہی حضرات نے اپنا ایک مطالبہ صدر صاحب کے سامنے رکھا تھا۔ مجھے آج یہاں یہ بتانا ہے کہ وہ مطالبہ کیا تھا اور اس کے بارے میں اعلان بھی کرنا ہے کہ صدر صاحب نے اپنی کابینہ سے مشورے کے بعد اس بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے۔

”ہاں تو حضرات۔ وہ مطالبہ یہ تھا کہ اس ملک میں غیر مسلم لوگوں کو فوج میں ملازمتیں نہیں دی جائیں، جب کہ یہ ہمارا حق ہے۔ آخر ہم اس ملک میں مستقل طور پر رہتے ہیں، ہم اس ملک کا کھاتے ہیں، اس ملک کے وفادار ہیں اور وقت پڑنے پر اس کے لیے جانوں کا نذرانہ بھی دینے سے نہیں چوکیں گے، لہذا ان حالات میں، ہمیں بھی فوج کی ملازمتوں میں سے حصہ ملنا چاہیے۔

یہ مطالبہ ایک وفد نے صدر صاحب کو پیش کیا

اردو فیکٹر کے لئے pk7e@hotmail.com

تھا۔ صدر صاحب نے اس پر پوری طرح غور کرنے کا وعدہ کیا تھا؛ چنانچہ اس پر خوب غور کیا گیا۔ اور آخر یہ طے کیا گیا کہ آئندہ غیر مسلموں کا بھی فوج کی ملازمتوں میں پانچ فی صد کوٹ مقرر کر دیا جائے۔ ان الفاظ کے ساتھ ہی مال ایک بار پھر تالیوں سے گونج اٹھا۔ ادھر انپکٹر جمشید، خان رحمان اور پروفیسر داؤد کے چہرے مارے غصے کے سرخ ہو گئے :

”میں اب یہ تقریر نہیں سن سکتا۔ چلو خان رحمان۔ کہاں چلیں۔ اور کیا تم وہ انگوٹھی... پھر دکھائیں گے۔ اس وقت وہ انگوٹھی کو کب خاطر میں لائیں گے۔ انپکٹر جمشید نے تمللا کر کہا۔

”ہم ابھی اور اسی وقت صدر صاحب سے بات کر لی گے جمشید۔ پروفیسر داؤد بڑی طرح تپ رہے تھے۔

اور پھر وہ ایوانِ صدر جا پہنچے۔ صدر صاحب نے سکرا کر ان کی طرف دیکھا :

”شاید وزیرِ خارجہ کی تقریر سن کر آ رہے ہیں۔ ان کے بچے میں شدید بے چینی تھی۔

”یس سر۔ یہی بات ہے :

”تب پھر میں جانتا ہوں۔ آپ کیا کہنے کے لیے آئے

”ان تمام شکلات کا حل تو بہت آسان ہے جناب عالی :
انپکڑ جمید ہونے۔“

”میں وہ حل جانتا ہوں جمید ، لیکن میری کامیابی کے
لوگ اس حل کو نہ سمجھتے ہیں ، نہ مانتے ہیں۔ وہ سب بڑی
طاقتوں سے خوف زدہ ہیں ، ایک اللہ سے نہیں۔ بلکہ یہ خیال
عوام میں بھی جڑ پکڑ چکا ہے کہ اگر انشا رب نے ہماری امداد
دوک لی ، فلاں ملک نے قرضہ نہ دیا ، فلاں ملک نے اسلحہ
نہ دیا تو ہمارا کیا بنے گا۔“

”جناب عالی۔ ایسے تمام لوگوں کو دلیلوں سے قائل
کیا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر جب ابرہہ نے
کتے پر ہاتھیوں کے لشکر سے چڑھائی کی تھی تو
کتے کے لوگوں کو کون سے غیر ملک کی امداد ملی تھی ،
ان اباہیلوں کی چونچوں میں آخر کیا تھا ، جنہوں
نے ہاتھیوں کو عکلا سڑا بھوسہ بنا دیا تھا۔ کیا وہ بھی
کسٹریاں ایٹم اور ہائیڈروجن بموں سے زیادہ طاقتور
نہیں تھیں۔ وہ اباہیلیں کیا ایٹ ۱۶ سے زیادہ طاقتور
نہیں ثابت ہوئی تھیں۔ اور جناب والا۔ کیا آپ نہیں
جانتے آثار قدیمہ نے زمین میں وحشا ہوا ایک شہر
درافت کیا ہے۔ اس شہر کی فضا میں انہیں تابکاری

ہیں۔ یہی ناکہ یہ ہم نے کیا فیصلہ کیا ہے۔ پہلے
ہی فوج میں مرزائی موجود ہیں۔ جو ملک کو نقصان پر
نقصان پہنچا رہے ہیں ، اب عیسائی بھی شامل کیے
جائیں گے۔ عیسائی ہمارے ملک میں پہلے ہی بہت
زور شور سے عیسائیت کی تبلیغ کر رہے ہیں۔ یہ
سب کچھ ہمارے ملک کے حق میں کہاں تک بہتر
رہے گا۔ میں جانتا ہوں۔ ہرگز بہتر نہیں رہے
گا ، لیکن کیا آپ لوگ سمجھتے ہیں۔ یہ ہم نے اپنی
خواہش سے منظور کیا ہے۔ نہیں۔ ہرگز نہیں۔ ہم
ایسا کوئی مطالبہ منظور نہیں کرنا چاہتے تھے ، لیکن
ایک بار پھر وہی بڑی طاقتیں اور ان کے خوفناک
مدد تک بڑھے ہوئے قرض ہمارے راستے کی دیوار
بن گئے۔ بلکہ راستے کا قطعہ بن گئے اور ہم کچھ بھی
دکڑ سکے۔ دھمکی یہ تھی کہ تمام قرضے بند کر دیے
جائیں گے۔ تمام فوجی اور غیر فوجی امداد روک دی
جائے گی اور تمام سفارتی تعلقات ختم کر دیے جائیں
گے۔ ان حالات میں ہم کیا فیصلہ کر سکتے تھے ، جبکہ
دشمن بھی سرحدوں پر تھکا بیٹھا ہے۔ صدر مملکت

ہستے ہیں۔ اس کا کیا علاج ہے جشیدؔ۔

”تب میں ایسے لوگوں سے پوچھوں گا کہ چند سال پہلے دناس کے کئی شہروں کے درختوں سے بُور بھڑنا شروع ہو گیا تھا۔ یہ بُور اس قدر بھڑا کہ سڑکیں ہلاک ہو گئیں۔ پورا دناس حرکت میں آ گیا تھا۔ ادھر وہ سڑکیں صاف کرتے تھے، ادھر پھر بُور کے ڈھیر لگ جاتے تھے۔ وہ اس بُور کا کوئی علاج دریافت نہ کر سکے۔ عاجز آ گئے۔ ان کی ساری سائنس دھری گئی دھری رہ گئی۔ اس وقت وہ ہاتھ پر ہاتھ دھر کر رہ گئے تھے۔ انہیں کچھ بھی سمجھائی نہیں دے رہا تھا اور مزے کی بات یہ کہ ایسا پہلے کسی نہیں ہوا تھا۔ انکیٹر جشید ایک بار پھر خاموش ہو گئے۔

”یہ باتیں واقعی ایسی ہیں کہ انسان کی آنکھیں سمجھ لیں، لیکن افسوس۔ اب میں کیا کہوں؟“

”خیر جناب اعلیٰ۔ آپ نہ کہیں کچھ۔ لیکن۔ میں کئے بغیر نہیں رہ سکتا، ان بڑی طاقتوں نے ہمیں بہت بڑے اندھیرے میں پھینک دیا ہے۔ ہمیں اس اندھیرے کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ ہمیں اجازت دیجیے۔“

”ناراض ہو گئے جشید، لیکن میں شاید تم سے بھی زیادہ

بے بس ہوں۔“

اثرات ملے ہیں جو حد درجے طاقت ور ہیں، یہاں تک کہ عالم گیر جنگ میں اتحادی فوجوں نے ہیروشیما اور ناگاساکی پر جو ایٹم بم برساتے تھے۔ ان سے جو تابکاری اثرات پھیلے ہیں، وہ ان سے کہیں کم ہیں جو اس شہر میں پائے گئے ہیں۔ دفن شدہ شہر کے بادے میں تاریخ یہ بتاتی ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے قہر نے زمین میں دھنسا دیا تھا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے بھی اس شہر پر کوئی ایسی چیز دے مادی کہ پورا شہر زمین میں دھنس گیا اور اس چیز کے تابکاری اثرات وہاں باقی رہ گئے۔ ان باتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ انشاد، دناس، بیگمال، شارجتان اور ملک شین۔ ان سب کی مل کر بھی اللہ تبارک تعالیٰ کے آگے چوڑی کے پر جتنی بھی حیثیت نہیں ہے۔ اب ہم اپنے ذہنوں میں انیس ہوتا بنالیں تو یہ ہمارے ایمان کی کمزوری ہے۔ ورنہ یہ طاقتیں ہیں کچھ نہیں۔ انکیٹر جشید نے بھی جواب میں تقریر کر ڈالی۔

”یہ باتیں ان لوگوں کے لیے بہت کافی ہیں جن کے دلوں میں ایمان کی شمع روشن ہے، لیکن جن کو اسلام چوک

اردو فیزکس کے لیے ہیں، ان باتوں پر pk7e@hotmail.com

”معاف کیجیے گا سر۔ اگر ایسا ہے تو کسی انتہائی غلط آدمی کو اقتدار سونپ کر علحدہ ہو جائیں۔ انھوں نے نرم الفاظ منہ سے نکالے۔

”ہاں جشید۔ مجھے یہی کرنا چاہیے۔ اور میں ایسا کروں گا۔ تم فکر نہ کرو۔“

”لیکن جناب صرف اس صورت میں۔ جب کہ آپ قوم کو واقعی ایک غلط ترین آدمی دینے کے قابل ہوں، ورنہ کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ جمہوریت کے ذریعے ہمارے ملک میں کوئی انقلاب نہیں لایا جاسکتا۔ اس بات کو لکھ لیجیے سر، جمہوریت کے ذریعے صرف غنڈہ گردی کی حکومت آسکتی ہے۔“

”ہاں! میں اس بات کو مانتا ہوں۔ آج اگر کوئی غلط آدمی ایکشن لڑے تو شاید اس کے اپنے گھر والے بھی اسے ووٹ نہیں دیں گے، ان حالات میں اس کا جیت جانا ناممکن ہے۔ اور جب غلط آدمی اوپر نہیں آسکتے تو پھر جمہوریت کا کوئی فائدہ نہیں۔“

”تمہارے خیال میں کوئی حل ہے تو بتا دو جشید۔“

”حل ہے سر، لیکن آپ کو اپنے عہدے سے الگ ہونا پڑے گا۔“

اردو فیز کے لیے ن اسلام، ملک اور pk7e@hotmail.com

”قوم کی بہتری چاہتا ہوں۔ انھوں نے فوراً کہا۔“

”تو پھر تھوڑا احتیاط کریں سر۔ ہم لوگ آپ کو بتاتے ہیں گے۔ وہ کون شخص ہے۔ جو بچے اور بچے مسلمان کی حیثیت سے اس ملک کی باگ ڈور سنبھال سکتا ہے؟“

”میں اس شخص کا استقبال کروں گا۔“

وہ دہاں سے رخصت ہوئے۔

”محمود، فاروق اور فرزاد کی طرف سے ابھی تک کوئی اطلاع نہیں ملی۔“ انیکٹر جشید نے الجھن کے عالم میں کہا۔

”ہو سکتا ہے، انھیں کوئی سرائخ مل گیا ہو۔ اور وہ اس میں الجھ گئے ہوں۔“ خان رحمان نے خیال ظاہر کیا۔

”ارے ہاں! شیخ ابراہیم صاحب تو شاید اب تک واپس آ گئے ہوں۔ فون کر کے معلوم کر لیں، پھر ان سے ملاقات کرتے ہیں، اس انگوشی نے کافی سپنس پیدا کر دیا ہے۔“

یہ کہہ کر انھوں نے شیخ صاحب کے نمبر ملائے۔ معلوم ہوا، شیخ صاحب واپس گھر آ چکے ہیں۔ وہ سیدھے دہاں پہنچے۔

شیخ خالد ابراہیم نے تھکے تھکے انداز میں ان کا استقبال کیا۔ ان کی بیگم اور بچے بھی ان کے آس پاس موجود تھے۔

”ہم آپ کو ناوقت زحمت دے رہے ہیں۔“

”کوئی بات نہیں۔ آپ سب کو بھی تو مرے ہی

”یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اگر انگوٹھی چرائی گئی ہے تو پھر
باقی زیورات کو کیوں ماتہ نہیں لگایا گیا؟“

”بھلا میں کیا کر سکتی ہوں۔ کہیں یہ کام گھر کے کسی ملازم
کا نہ ہو۔ اتنے بہت سے زیورات میں سے اگر کوئی نشتا
سا زیور اڑا لیا جائے تو فوری طور پر اس کا پتا نہیں چلتا،
لیکن اگر کئی زیور چرائے جائیں تو فوراً پتا چل جاتا ہے۔ شاید
چور نے اسی خیال سے صرف ایک انگوٹھی چرائی۔“

”بات معقول ہے۔“ خان رحمان نے سر ہلایا۔

”لیکن آپ لوگ اس انگوٹھی کے بارے میں کیوں پوچھ
رہے ہیں؟“ شیخ صاحب نے حیران ہو کر پوچھا۔

”یہ بات ہم پھر کسی وقت بتائیں گے جناب، کیونکہ
ہم مجبور ہیں۔“ اُن : یہ تو ذرا بتا دیں۔ کیا آپ کسی ایسے
آدمی کو جانتے ہیں جو قہ میں لبا، جہامت میں خوب چوڑا چکلا
اور اس کی ناک کی نوک پر سُرخ رنگ کا تل ہو؟“

”لبا چوڑا۔ ناک کی نوک پر سُرخ تل۔ میں نے تو کبھی
اس جیسے کا آدمی نہیں دیکھا۔“ انھوں نے کہا۔

”پھر بھی آپ یاد کرنے کی کوشش کیجیے گا۔ اور آپ
لوگ بھی۔“ انپکٹر جمشید نے بیگم اور بچوں کی طرف دیکھا۔

”جی۔ جی بہتر! بڑا اڑ کا بولا۔“

سلسلے میں رہے ہیں۔“

”شکریہ جناب۔ آپ نے میرے کی کوئی انگوٹھی فاخر جیولرز
سے خریدی تھی؟“

”ہاں! میں جب بھی کوئی زیور خریدتا ہوں، ان سے ہی
خریدتا ہوں۔“ وہ بولے، اچھے میں قدرے حیرت بھی تھی۔

”میں اس انگوٹھی کو دیکھنا چاہتا ہوں۔“

”خیر تو ہے، اس میں ایسی کیا خاص بات ہے۔“

”جی بس۔ پہلے آپ وہ دکھائیں۔“

”میں نے وہ انگوٹھی اپنی بیگم کے لیے خریدی تھی۔ بیگم وہ
انگوٹھی لا کر انھیں دکھا دیں۔“

”جی۔ اچھا۔ انھوں نے کہا اور اٹھ کر کمرے سے نکل گئیں۔
دو منٹ بعد ان کی واپسی ہوئی۔ چہرے پر گھبراہٹ کے آثار
طاری تھے۔“

”وہ۔ وہ انگوٹھی تو سیف میں نہیں ہے۔“

”کیا کہا؟“ شیخ صاحب دھک سے وہ گئے۔ ان کی آنکھیں
حیرت سے پھیل گئیں۔

”جی! اُن : وہ سیف میں نہیں ہے۔“

”اور۔ اور باقی زیورات؟“

”جی۔ جی بہتر! بڑا اڑ کا بولا۔“

pk7e@hotmail.com اردو فیکٹر کے لئے

”ٹھیک ہے۔ وہ مسکرائے۔

وہ باہر کی طرف چل پڑے۔ ایسے میں ان کی نظر پائیں باغ پر پڑی۔ بے خیالی کے عالم میں وہ باغ میں داخل ہو گئے۔ چند منٹ تک کھوئے کھوئے انداز میں باغ اور باغ کے ارد گرد کا جائزہ لیتے رہے، پھر بہت زور سے اُچھلے۔ ان کے چہرے پر بے پناہ خوف بھی نظر آیا۔

”آپ کو شاید یہ سب کچھ بہت عجیب لگ رہا ہے؟

”ہاں ایسی بات ہے۔“

”اس لیے کہ کبھی جاسوسی معاملات سے واسطہ نہیں پڑا۔ وہ مسکرائے۔

”شاید یہی بات ہے۔“

”آپ لوگ ذرا ذہن دوڑائیے۔ ہو سکتا ہے، اس جیلے کا کوئی آدمی یاد آ جائے۔ اور اب ہم آپ کے ملازمین سے سوالات کرنا چاہیں گے۔ معلوم تو ہو۔ وہ انگوٹھی ان میں سے کس نے چرائی ہے؟

شیخ صاحب نے ایک الگ کمرے میں ملازمین سے پوچھ گچھ کا انتظام کروا دیا۔ انپکٹر حمید نے باری باری ملازمین کو بلانا شروع کیا اور ان سے سوالات کیے۔ سوالات کے دوران ان کا بغور جائزہ بھی لیا۔ پھر انہیں رخصت کر دیا اور خود بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ ایسے میں شیخ صاحب ان تک پہنچ گئے :

”کیوں انپکٹر صاحب۔ کچھ پتا چلا؟

”جی نہیں۔ ابھی میں کوئی شواہد نہیں لگا سکا۔“

”ان میں کوئی ایک ہی چور ہو سکتا ہے؟

”مگر بہت حد چور کا سراغ لگا لوں گا۔ آپ فکر نہ کریں۔“

”اس کے لیے ہمیں کسی طرح جوئے خانے میں داخل ہونا ہو گا۔“ محمود نے کہا۔

”نہیں ہو سکیں گے۔“ محمد حسین آزاد نے انکار میں سر ہلایا۔
 ”انکل! ہم ان کی آنکھوں میں دھول جھونک کر داخل ہوں گے۔ ہمارا اندازہ ہے۔ ایسے لوگ جو ضرور کھلتے ہیں، میرا مطلب ہے، جو لوگ بے تحاشہ دولت حاصل کرتے ہیں، وہ بے تحاشہ خرچ بھی کرتے ہیں اور بے تحاشہ جوئے کے ذریعے آسانی سے خرچ بلکہ ضائع ہو سکتی ہے۔ اس لیے امید کی جا سکتی ہے کہ وہ اندر ہی کہیں ہو گا اور جوئے کے چکر میں ان لوگوں کو وزیر خارجہ صاحب کی تقریر سے بھی کوئی دلچسپی نہیں ہو گی۔“

”ہوں۔“ محمود تمہاری باتوں میں کچھ زیادہ ہی وزن آ چلا ہے۔ کہیں ہم ان کے بوجھ تلے دب نہ جاتیں۔“ فاروق نے پریشان ہو کر کہا۔

”تو پھر اٹھ چلو۔“ انکل کو یہیں رہنے دو۔“
 ”اں! یہ ٹھیک رہے گا۔“ محمد حسین آزاد نے جلدی سے کہا، وہ ان کے فیصلے سے گھبرا گیا تھا۔
 ”شکریہ انکل۔“

تینوں اٹھ کر جوئے خانے کی سمت میں بڑھے۔

ہوٹل بولیمار

وزیر خارجہ کی تقریر میں کر وہ سناٹے میں آ گئے۔
 ”یہ۔۔۔ یہ کیسا فیصلہ ہے بھتی؟“

”سو فی صد غلط۔“ فرج میں غیر مسلموں کا کیا کام۔ جنگ کے دوران وہ صرف اور صرف خدائی کریں گے، اسی لیے انہیں شامل کرایا گیا ہے۔“
 ”لیکن ہمارے ملک کے صدر کو کیا ہو گیا، انہوں نے یہ فیصلہ کیسے دے دیا۔“

”بڑی طاقتوں کی کارستانی ہو گی۔“ خیر اس پر ہم پھر گفت گو کریں گے۔ بلکہ آبا جان اور انگلز وغیرہ سے کریں گے، تاکہ وہ صدر صاحب سے ملاقات کریں اور اس حکم پر عمل رکوائیں۔ اس وقت ہمارا مسئلہ ہے سرخ تیل والا۔ میں نے تمام لوگوں کو بغور چیک کیا ہے۔ ابھی تک تو یہاں کوئی سرخ

اور پھر وہ جوئے خانے کے دروازے پر پہنچ گئے:

"اے۔ کدھر کا ارلہ ہے؟"

"اندر جائیں گے بھئی۔"

"داخلہ بند ہے۔ اندر صرف ممبر جا سکتے ہیں۔"

"اگر اندر کہیں ہم رکھ دیا جائے تو کیا اس صورت میں

بھی ممبر ہی اندر جاتے رہیں گے اور ہم تلاش کرنے والے

محلے سے کہا جائے گا کہ صرف ممبر ہی اندر جا سکتے ہیں۔"

"کیا کہا۔ ہم۔"

"ہاں! ہم۔"

"کس نے کہا کہ اندر ہم رکھا گیا ہے؟"

"آپ دیکھ نہیں رہے۔ ہمارے ہاتھوں میں آلات موجود

ہیں، کیا ہمیں پاگل کہتے نے کاٹا ہے کہ آلات اٹھا کر بلکہ

مذ اٹھا کر چلے آئے۔ فاروق نے جلی بھن کر کہا۔"

"ارے باپ رے۔ تو۔ د اندر ہم رکھ دیا گیا ہے۔"

"چلانے اور شور مچانے کی ضرورت نہیں، اس طرح

خوف و ہراس پھیلے گا۔ ہم نہایت خاموشی سے اندر

چیک کر لیں گے اور کسی کو کانوں کان خبر تک نہیں ہو

گی کہ کیا معاملہ ہے۔ اگر کوئی کھلاڑی پوچھے تو آپ صرف

کہ دیں۔ ایکٹریشن ہیں۔ بجلی میں کہیں خرابی ہے۔"

"فرزادہ! کیا تمہارے ذہن میں کوئی ترکیب ہے؟"

"ایک چھوٹی سی۔ اپنے سائنسی آلات نکال کر ہاتھوں

میں لے لو۔"

"وہ کیوں؟ محمود چونکا۔"

"بس لے لو۔ وہ مسکرائی۔"

"بس لے لو بھئی۔ محمود نے فاروق کی طرف دیکھا۔"

"کہاں سے لے لوں بس۔ اتنے پیسے نہیں ہیں میری جیب

میں۔ فاروق دولا۔"

"یار سمجھا کرو، مفت مل رہی ہے۔ محمود نے کہا۔"

"ادھر ادھر کی مت مانگو۔ ہم خطرناک جگہ جا رہے ہیں۔"

"یہ کیا خاص بات ہوئی؟"

"اچھا بس۔ اب خاموش ہو جاؤ اور آلات نکال لو۔"

جلدی۔ فرزادہ نے ہنسا کر کہا۔"

اس کے لمحے سے گھبرا کر دونوں نے اپنے سائنسی آلات

جیبوں سے نکال لیے۔"

"ساتھ میں ریڈی میڈ میک آپ بھی کر لو۔"

"چلو کر لیا۔ انھوں نے ہاتھوں کو حرکت دیتے ہوئے کہا۔"

"ہاں! اب ٹھیک ہے۔ یہ کہہ کر فرزادہ نے خود بھی

تینوں اندر داخل ہو گئے اور گئے ادھر ادھر اپنے آلات لگانے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ تمام جہازیں کو بھی بغور دیکھ رہے تھے۔ ایسے میں ایک خوف ناک آواز گونجی:

"اے۔ تم کون ہو؟"

انہوں نے چونک کر اوپر دیکھا۔ ایک دیہ قامت آدمی ان کے سروں پر کھڑا خونخوار انداز میں گھور رہا تھا۔

"جی۔ جی ہم۔ یعنی کہ ہم۔"

"اے! تم کون ہو؟"

"ہم انسان ہیں۔"

"میں پوچھ رہا ہوں۔ یہ یہاں کیا کرتے پھر رہے ہو۔ تمہیں اندر کس نے آنے دیا؟"

"وہی تو ہم اللہ کی مہربانی سے اندر آئے ہیں۔ ہاں! بظاہر دروازے پر موجود نگران نے اجازت دی ہے۔"

"پہلے تو میں اس کی خبر لیتا ہوں۔"

"یعنی بھی چاہیے۔ بہت غیر ذمے دار آدمی ہے۔" نادر نے کہا۔

"وہ تیز تیز قدم اٹھاتا چلا گیا۔"

"شاید یہ جوتے خانے کا انچارج ہے۔"

"ہوگا۔ ہمیں کیا۔ اپنا کام کرو۔ اور جلدی جلدی کرو۔"

"اوہ۔ ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ آپ جائیں اندر۔" دیکھا! میں نے کہا تھا ناکہ دروازے پر کھڑا شخص اتنا بے وقوف نہیں ہو سکتا۔ فاروق نے خوش ہو کر کہا:

"کیا مطلب؟ وہ چونکا۔"

محمود اور فرزاد نے فاروق کو گھبراہٹ سے اس موقع پر اس جیسے کے ذریعے خوشی کا اظہار کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

"وہ۔ میرا مطلب ہے۔ ان کا خیال تھا کہ آپ ہم کی اطلاع سن کر بھی شاید ہمیں اندر نہ جانے دیں۔"

"بھئی آپ لوگ جو اکیلے تو آئے نہیں۔"

"توہ توہ۔ ہم تو جوئے کے پاس بھی نہیں جاتے۔" فاروق نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

"اچھا کرتے ہیں۔ جو ایک لعنت ہے۔" دروازے پر کھڑے نگران نے کہا۔

"یہ آپ کو رہے ہیں۔ ایک جوئے خانے کے دروازے پر کھڑے ہو کر۔" محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں! میں ہی کہوں گا اور کون کہے گا۔ میں اندر کے نظارے دیکھتا رہتا ہوں نا۔ اوہو۔ کیا آپ ہم کو بھول گئے ہیں؟ نگران نے کہا۔"

اردو فیکٹر کے لیے pk7e@hotmail.com

انہوں نے تمام چیزوں کا جائزہ لینا شروع کیا ، لیکن
سرخ تل والا کہیں بھی نظر نہ آیا ؛
”ہو سکتا ہے ، اس نے پہچان لیے جانے کے ڈر سے
سرخ تل کٹوا دیا ہو۔“ فرزانہ بڑبڑاتی۔
”اس صورت میں ناک پر زخم ہونا چاہیے۔“
”ہو سکتا ہے ، تل کا رنگ تبدیل کر لیا ہو۔ آج کل
ایک آپ ٹوشنوں کے ذریعے ایسا بھی کیا جاسکتا ہے۔“
”ہمیں کسی اور رنگ کے تل والا بھی تو نظر نہیں آیا۔“
عمود نے کہا۔

”اس کا مطلب ہے۔ یہاں آنا بھی بے کار گیا۔“
”ایسا ہی لگتا ہے۔“
اسی وقت تیز تیز قدموں کی آواز سنائی دی۔ وہی دیوتا
آدمی آتا نظر آیا۔ اب اس کے چہرے پر خوف ہی خوف
تھا۔

”تت۔ تت۔ تت۔ تو اندر کسی نے ہم رکھ دیا ہے۔“
”کیا خیال ہے۔ اپنا کام جلدی رکھیں یا یہاں سے
بھٹک جائیں۔“
”نہیں۔ جلدی رکھیں۔ جلدی رکھیں۔“
”کیا۔۔۔“

اچانک ایک اور گوج دار آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی ؛
”یہ کیا ہو رہا ہے۔“
”آج شاید ہر آدمی ہم سے یہ پوچھے گا کہ یہ کیا ہو رہا
ہے۔“ فاروق نے منہ بنایا۔
”آپ اپنا کام کریں۔ ان سے میں بات کر لیتا ہوں۔“
اس مرتبہ بولنے والا ایک بنگلی دروازے سے جوئے خانے
میں داخل ہوا تھا اور اس کی نظریں ان تینوں پر جمی تھیں۔ پھر
وہ دیو قامت کے سامنے آکر ٹھہر گیا ؛
”میں نے کہا تھا۔ یہ کیا ہو رہا ہے؟ وہ فرمایا۔
”سس۔ سس۔ سس۔ کسی نے اندر ہم رکھ دیا ہے۔“ نگران
نے کانپتی آواز میں کہا۔
”کیا کہا۔ ہم۔“ وہ چلا اٹھا۔ نگران گھبرا گیا۔
”یہ آپ نے کیا کیا۔ اب سب لوگ گھبرا جائیں گے۔“
نگران بولا۔

”ہم۔ ہم۔“ کھلاڑی چلا اٹھے۔
وہ میزوں پر رچی رچوم کو بھی بھول گئے۔ ایک دم اٹھ
کھڑے ہوئے اور باہر کی طرف بھاگنے لگے۔ تینوں اب بھی
ان لوگوں کو بغور دیکھ رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے۔ بال
خالی ہو گیا۔

”تین بار یہ کہنے کے لیے شکریہ قبول کرو بھائی۔ فاروق نے کہا۔“

”کیوں۔ انہیں پہچانتے ہو؟“

”ہاں! انکسٹر جیش کے بچے ہیں۔“

”لیکن سوال یہ ہے کہ یہ یہاں کیوں نظر آرہے ہیں۔ ہمارے یہ جوئے خانہ غیر قانونی نہیں ہے، ہمارے پاس لائسنس ہے۔“

”یہ تو یہی بتائیں گے سر۔“ پریشان آواز میں بولا۔

”مردود بتائیں گے۔ ہم ان سے پوچھ کر رہیں گے۔“

”پہلے تو یہ بتائیں۔ آپ کون صاحب ہیں؟“ محمود نے

منہ بنایا۔

”میں۔ میں اس ہوٹل کا نائب میجر ہوں۔ مارک گرین۔“

”تو مسٹر مارک گرین۔ ہمیں ایک مجسٹرم کی تلاش ہے۔“

”بس ہم اسے تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ آپ کے جوئے خانے

سے ہمیں کوئی مطلب نہیں، لیکن چونکہ یہاں داخلہ بند ہے۔“

اس لیے یہ چکر چلانا پڑا۔“

”اس بیان سے میں مطمئن نہیں ہوا۔“

”تو پھر؟“ محمود نے بتا کر کہا۔

”میں پولیس کو فون کر رہا ہوں۔ تم لوگ غیر قانونی طور

”دیکھا آپ نے۔“

”ہاں دیکھا۔ یہ تجربہ ہمارے لیے بڑا نہیں رہا۔ اب یہ

سب رقوم جوئے خانے کی ہیں۔ یہ کہہ کر وہ ان کی طرف

مڑتے ہوئے بولا:

”تم کون ہو؟“

”آپ دیکھ نہیں رہے؟“

”تو تم ہم تلاش کرنے والے ہو؟“

”اب ہم اپنے منہ سے کیا کہیں۔“ فاروق نے شرما

کر کہا۔

”وہ ان کے نزدیک آگیا۔ اچانک اس کا ایک ہاتھ محمود

کی ناک پر پڑا۔ ناک کا سپرنگ نکل گیا۔ اور محمود کا اہلی چہرہ

نظر آنے لگا۔“

”ارے! یہ کیا۔ اس کی تو شکل بدل گئی۔“

”ابھی کیا ہے۔ ابھی تو ان دونوں کی بھی بدلے گی۔“ وہ

سکڑا دیا۔

”ہاں! آپ ٹھیک کہتے ہیں۔“ فاروق نے یہ کہہ کر سپرنگ نکال

دیا۔ ”فرزاد نے بھی ایسا ہی کیا۔“

”یہ۔ یہ۔ یہ کیا۔“ نگران بوکھلا اٹھا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت

ایک کلونا پستول:

”یہ اصلی پستول سے کہیں زیادہ خطرناک ہے۔ میں
دن تک گنوں گا۔ اگر تین پر آپ نے اس شخص کے
بارے میں نہ بتایا کہ ہمیں کہاں مل سکے گا۔ تو میں اس
پستول کا ٹریگر دبا دوں گا۔ پھر نہ کیسے گا۔ کہ یہ کیا ہوا“
محمود نے کہا۔

”اچھا نہیں کہوں گا۔ وہ ہنسا۔

ایک۔“ محمود نے کہا اور ٹھہر گیا۔ چند سیکنڈ بعد اس

نے کہا:

”دو۔“

”تین!“

مارک گرین تین پر بھی ہنستا ہی رہا۔ ادھر محمود نے ٹریگر
دبا دیا۔ پستول میں سے بجلی کی چمک جیسی ایک لہر نکلی اور
سیدھی مارک کی طرف گئی۔ مارک کے منہ سے ایک دل دوز
جھنجھٹا نکل گئی۔ وہ تڑ سے گرا اور تڑپنے لگا۔ اب اس
کی آنکھوں میں ہلا کی حیرت بھی تھی، اس کا ساتھی تو سکتے
کے عالم میں وہ گیا تھا۔

”جلدی بتاؤ مشر مارک! ابھی میں نے آپ کی ایک
ٹانگ پر فائر کیا ہے، اگر کہیں میں پستول کا رخ آپ

پر اندر داخل ہوئے ہو۔“

”جیسے آپ کی مرضی۔ اس طرح ہمارا جلا کیا بگڑے گا،
پولیس ہمیں گرفتار نہیں کر سکے گی۔“

”پولیس کو گرفتار کرنا ہو گا۔ وہ غرایا۔

”کوشش کر کے دیکھ لیں۔“ فاروق نے کندھے اچکائے۔

”دیے کیا آپ کسی ایسے آدمی کو جانتے ہیں۔ جس کی
ٹانگ کی نوک پر سرخ تل ہو؟ فریڈ نے اچانک کہا۔

”کیا مطلب؟ وہ چونکا۔

”آپ سرخ تل کا مطلب پوچھ رہے ہیں۔ کمال ہے۔
دیے آپ کے چونکنے کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ
اس شخص کو جانتے ہیں۔“

”اں شاید۔ لیکن میں تمہیں کیوں بتاؤں۔“ اس نے
جل کر کہا۔

”اگر آپ اس کے بارے میں جانتے ہیں تو پھر آپ
کو بتانا ہو گا۔“ محمود غرایا۔

”کیا زبردستی معلوم کر دو گے مجھ سے۔“

”اں بالکل! یہ دیکھیے۔ میرے ہاتھ میں کیا ہے؟“

محمود کے ہاتھ میں اب ایک نیچا سا پستول نظر

وہ ان کے چادروں ڈھنڈھیں گئے۔ محمود نے اپنا پستول ان پر تان دیا اور فائر کرتے ہوئے بولا:

"لو بھیجی۔ تم بھی کیا مادر کرو گے۔ اتنا مزے دار پستول ہے کہ بس۔ کیا بتاؤں؟"

بجلی کی لہریں پستول سے نکلتی چلی گئیں اور وہ چیخ مار مار کر گرتے چلے گئے۔ صرف چند سیکنڈ میں میدان صاف تھا، ادھر گرنے والوں کا مارے حیرت کے برا حال تھا:

"ہاں تو مسٹر گرین۔ یہ بات کھولیں۔ اگر اس پتے پر سرخ تل والا نہ ملا تو ہم پھر آئیں گے اور آپ سے یہ بات پوچھی جائے گی کہ وہ ہمیں کہاں مل سکے گا؟ محمود نے غرا کر کہا۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ نکلتے چلے گئے۔ ہونٹل سے باہر نکل کر کار میں بیٹھے اور نیسل گڑھ پہنچے۔ خادور بلاک تلاش کرنے میں انھیں کوئی دقت نہ ہوئی، لیکن ۹۰ نمبر کہیں بھی نہیں تھا۔ پورے خادور بلاک میں چھ سو سے اوپر نمبر تھا ہی نہیں۔

"اس کا مطلب ہے۔ مارک گرین نے ہمیں دھوکا دیا۔ محمود نے غصے میں آ کر کہا۔"

"اس کے علاوہ کیا کہا جاسکتا ہے؟" خادورق بولا۔

کی آنکھوں کی طرف کر دیتا تو آپ اس وقت اندر سے ہو چکے تھے۔ اگر آپ نے فوراً سرخ تل والے کے بارے میں نہ بتا دیا تو پھر میں آنکھوں پر فائر کروں گا؟

"نہیں۔ ایسا نہ کیجیے گا؟"

"تو پھر سرخ تل والے کا ٹھکانا بتا دیں؟"

"۹۰۴ خادور بلاک، نیسل گڑھ۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"اگر یہ پتا فرضی ہوا، یا سرخ تل والا یہاں نہ ملا تو ہم پھر آئیں گے مسٹر گرین، اس بات کو مکمل طور پر اس کے ملنے یا نہ ملنے کی گارنٹی بھلا میں کس طرح دے سکتا ہوں؟"

"اچھا خیر۔ پتا تو فرضی نہیں ہے نا؟"

"بالکل نہیں۔" اس نے پُر زور انداز میں کہا۔

"شکریہ؟"

وہ جانے کے لیے مڑے ہی تھے کہ تینوں کو ایک زبردست دھکا لگا۔ تینوں پر پندروہ کے قریب غنڈے اچانک حملہ آور ہوئے تھے۔

شاباش! بہت اچھے موقعے پر آئے۔ پیس کر دکھ دو انھیں! مارک گرین نے چلا کر کہا۔

"انکل آزاد۔ فردا اس کی گرفتاری کا بندوبست کریں۔"
فرزاد بولی۔

"وہ اب وہاں کہاں بیٹے گا۔ محمود اس انداز میں مسکرایا۔
"یہ ضروری نہیں۔ فرزاد نے جلدی سے کہا۔
وہ ہوٹل، لوبیہا رہنے اور بے دھڑک اندر داخل ہو گئے
لیکن یہی بے احتیاطی انہیں بے بیشی۔

سرخ تل

"خان رحمان اور پروفیسر صاحب۔ آپ نے باغ میں کچھ
محسوس کیا؟
"ہم نے۔ نہیں بھئی۔ ہم نے تو ابھی تک کچھ محسوس نہیں
کیا۔ خان رحمان نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔
"لیکن میں بہت کچھ دیکھ چکا ہوں۔ میں چور کے اندر
داخل ہونے کا طریقہ اور راستا جان چکا ہوں۔ وہ مسکرائے۔
"سرخ رساں ہونا۔ اس لیے۔ پروفیسر داؤد نے شرما کر
کہا۔

"آئیے میں آپ کو بھی دکھاؤں، لیکن مجھے حیرت اس بات
پر ہے کہ آخر اس کوٹھی میں ہوتا کیا کچھ رہا ہے۔ اور شیخ خالد
ابراہیم صاحب بالکل بے خبر رہے ہیں۔
"حمید! کیا تم اپنے اصول سے ہٹ نہیں رہے اس مرتبہ؟
خان رحمان بول اٹھے۔

درخت دیوار کے بالکل ساتھ ہے۔ چار دیواری بہت اونچی ہے۔ لیکن اس درخت کے ذریعے دیوار پر چڑھنا ذرا بھی مشکل نہیں، کیونکہ درخت بھی اس قسم کا ہے کہ اس پر ہاؤں آسانی سے جم سکتے ہیں۔ اس قسم کے درختوں پر تو کھوٹے تھے چڑھ جاتے ہیں۔

”اؤ۔ اؤ۔“ ان کے منہ سے نکلا۔

”لیکن جمیڈ۔ اس قدر اونچی چار دیواری نے اس طرف کودنا بھی تو آسان کام نہیں اور پھر کو دنے سے آواز بھی پیدا ہوتی ہے۔“

”ہاں! ضرور ہوتی ہے اور عام لوگ اتنی اونچائی سے نہیں کود سکتے، لیکن عادی مجرم کو دے سکتے ہیں اور اگر ان کے پیروں میں دبڑ سول کے جوتے ہوں تو اتنی آواز بھی پیدا نہیں ہو سکتی۔ اس لیے بھی کہ باغ میں کافی موٹی گھاس لگی ہے، لیکن میں تو آپ کو ایک اور بات کہنے لگا تھا۔“

”چلو تو پھر وہ بھی کہ دو۔“ پروفیسر داؤد بولے۔

”آپ نے واقعی چار دیواری کو بغور نہیں دیکھا۔ اب اس سرے کی طرف دیکھیے۔ وہاں بھی ایک اسی قسم کا درخت موجود ہے۔ اور یہ درخت اندر کی طرف ہے۔ اب چور کو صرف اتنا کرنا ہے کہ باہر والے درخت کے ذریعے

”کیا مطلب؟“

”مطلب یہ کہ تم نے شیخ صاحب کو شک سے بری کیوں کر دیا۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ یہ سب کچھ کیا دھوا ان کا ہو۔ وہ خود دشمن ملک کے جاسوس ہوں اور یہ تو غارت اور سرنگ وغیرہ خود انھوں نے بنوائے ہوں۔ تاکہ کبھی پول کھل جائے تو بھی ان پر کوئی شک نہ کرے، یہی خیال کیا جائے کہ ان کی کوشش میں جاسوسی کرنے کا کام کوئی اور کرتا رہا ہے۔“

”ہاں خان رحمان! یہ عین ممکن ہے۔ لیکن میں اس بات کو بھولا نہیں۔ یہ میرا سب سے پہلا اصول ہے کہ کسی بھی شخص کو شک سے بری نہ سمجھو۔“

”خیر۔ تم ہمیں کیا دکھا رہے تھے؟“ پروفیسر داؤد جلدی سے بولے۔

”آپ نے اس باغ کی چار دیواری کو غور سے دیکھا۔“

”اس قدر غور سے نہیں دیکھا۔ خیر۔ اب دیکھ لیتے ہیں۔“

خان رحمان سکڑتے، دونوں نے پوری چار دیواری کو بغور دیکھا، لیکن پھر نفی میں سر ہلا دیا:

”نہیں جمیڈ! ہماری سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ تم ہمیں کیا دکھانا چاہتے ہو۔“

”تو ہر قسم۔“ خان رحمان نے کہا۔ اس درخت کو دیکھو۔

تھا۔

”ہم معافی چاہتے ہیں بیگم۔ اور ہاں! محمود، فاروق اور فرزانہ کی کوئی خبر۔“

”وہ آپ سے کسی طرح پیچھے تو نہیں ہیں؟ انھوں نے بدلے کئے انداز میں کہا۔“

”گو یا تمہیں ان کے بارے میں کچھ علم نہیں ہے۔ خیر میں پتا کرتا ہوں۔“

انھوں نے ادھر ادھر فون کرنا شروع کیے۔ آخر دفتر سے پتا چلا، محمد حسین آزاد کو ساتھ لے کر ہوٹل بولیوار گئے ہیں۔

”ہائیں! وہاں تو ہم بھی گئے تھے۔ پروفیسر بولے۔“

”لیکن ہم واپس آ گئے۔ وزیر خارجہ بھی وہاں سے آپکے ہیں، وہ کیوں نہیں آئے؟“

”اس کا صاف مطلب ہے، وہ الجھ گئے ہیں۔ آئیے چلیں۔ ہمیں فوراً وہاں پہنچنا چاہیے۔“ انپکٹر جمشید فوراً اٹھ کھڑے ہوئے، اسی وقت بیگم جمشید کھانے کی ٹرے اٹھائے صحن میں آئیں۔

”ہائیں! یہ کیا۔ آپ پھر چل دیے۔“

”معاف کرنا بیگم، ہم جیسے مجبور بھی کوئی نہیں ہوں گے۔“

”یا اللہ رحم! انھوں نے کہا اور برے برے منہ بسناٹی باورچی خانے کی طرف چلی گئیں۔“

دیوار پر چڑھ جائے اور دیوار پر چلتا ہوا اس دوسرے درخت تک پہنچ جائے، پھر نیچے اترنے کے لیے اسے کودنے کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔“

”اور۔ یہ تو باقاعدہ چور کے لیے میٹھی دسائی لگئی ہے۔“

پروفیسر داد بولے۔

”جی ہاں! چور کے استقبال کی باقاعدہ تیاری کی گئی ہے، ایسے میں اگر کوئی چور اندر آ کر کوئی انگوٹھی وغیرہ اڑا کر لے جائے تو یہ کوئی عجیب بات تو نہیں ہوگی۔“

”ہوں! اس کا مطلب تو پھر یہ ہوا کہ چور کوئی باہر کا آدمی ہے۔ جب کہ ہم اسے اندر ڈھونڈ رہے تھے۔“

”ایک چور باہر کا ہے۔ دوسرا اندر کا۔“ انپکٹر جمشید مسکراتے۔

”لیکن ملازمین میں سے تم کسی کو بھی نہیں پکڑ سکے۔“

”ہاں! یہ ٹھیک ہے۔ اب یا تو اندر والا چور مدد سے زیادہ چلاک ہے۔ یا پھر ان میں سے کوئی نہیں ہے اور ہمارے اندازے بالکل غلط ہیں۔ خیر دیکھیں گے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ کے بارے میں ابھی تک کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔ کہاں ہیں، کیا کر رہے ہیں۔ کیوں نہ ذرا ان کی خبر لے لیں۔“

”چلو لے لیتے ہیں ان کی خبر۔“ خان دھماں نے کندھے اچکا۔

”ایک بار پھر چڑھا ہوا۔“

کہا۔

"کچھ اپنے بارے میں فرمائیے۔ آپ کا کیا نام ہے؟"

"میں۔ جی میں کالے خان ہوں۔"

"چلو مان لیا کہ آپ کالے خان ہیں، اپنا سابقہ نام بتا دیں؟ انپکٹر جمشید نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"سابقہ نام۔ کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ پہلے آپ کا یہ نام نہیں تھا۔ اگر آپ نہیں بتائیں گے تو میں بتا دوں گا۔"

"دیکھیے۔ آپ مہربانی فرما کر اپنے کام سے کام رکھیے۔"

"یہی تو کر رہا ہوں سڑشیکا۔"

"شش۔ شیکا۔ وہ ہکلا یا۔"

"ہاں! یہی تو آپ کا پُرانا نام ہے۔ کئی بار کے سزا یافتہ ہیں، دو مرتبہ تو میرے ہاتھوں بھی گرفتار ہوئے تھے اور اتفاق سے میں اس وقت میک آپ میں بھی نہیں ہوں، لہذا آپ کا یہ کتنا غلط تھا کہ آپ محمود، فاروق اور فرزانہ کو نہیں جانتے۔ اب میں پھر اپنا سوال دہراتا ہوں۔ محمود، فاروق اور فرزانہ کو پہچانتے ہیں؟"

"ہاں! اس نے کہا۔

"وہ یہاں موجود ہیں؟"

آندھی اور طوفان کی طسرح کار چلاتے وہ ہوٹل بولیوار تک پہنچے۔ ال میں انھیں محمود، فاروق اور فرزانہ کہیں نظر نہیں آئے۔ اور نہ محمد حسین آزاد۔

"وہ تو یہاں نظر نہیں آ رہے۔ انپکٹر جمشید بڑبڑاتے۔

"ہو سکتا ہے، اندر کہیں ہوں۔"

"میں معلوم کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ کاؤنٹر کی طرف بڑھ گئے۔

"محمود، فاروق اور فرزانہ کو پہچانتے ہیں آپ؟ وہ کاؤنٹر پر موجود ملازمین سے بولے۔

"جی۔ آپ کون سے محمود، فاروق اور فرزانہ کی بات کر رہے ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے، آپ لوگ تو مجھے بھی نہیں جانتے۔ انپکٹر جمشید مسکراتے۔

"جی نہیں۔ پہلی بار دیکھ رہے ہیں آپ کو۔ ویسے ہم

زیادہ پرانے ملازم نہیں ہیں۔ کیا آپ اس ہوٹل کے مالک ہیں، لیکن نہیں۔ وہ تو اس ملک میں ہی نہیں ہیں۔"

"یہ سن کر خوشی ہوئی کہ وہ اس ملک میں نہیں رہتے۔

اس اطلاع کا بھی شکریہ۔ اور کچھ کہنا چاہتے ہیں آپ؟"

اردو فیکٹر کے لیے جس سے ایک نے pk7e@hotmail.com

”یہ بات تو آپ اس سے بھی پوچھ سکتے تھے۔“ اس نے کالے خان کی طرف اشارہ کیا۔

”چلے ان سے، ہی تو پوچھا تھا اور ان کا بیان یہ ہے کہ محمود، فاروق اور فرزانہ آپ کے پاس ہونے چاہئیں۔“ وہ یہاں آئے تھے۔ کچھ سوالات کیے اور چلے گئے۔

”کیسے سوالات؟“

”کسی سُرخ تل والے کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔“

”تو پھر؟ وہ چونک اٹھے۔“

”مجھے معلوم ہی نہیں تھا تو بتانا کیا۔“

”لیکن مسٹر مارک گرین! میں آپ کی باتوں پر اعتبار کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔“

”کیوں۔ کیا مطلب؟“

”محمود، فاروق اور فرزانہ اگر کسی جگہ سے خیریت سے لوٹتے ہیں تو وہاں اپنی کوئی چیز کبھی نہیں گراتے، لیکن اگر کسی جگہ ان کے ساتھ کوئی زیادتی ہو اور غائب کر دیے جانے کا خطرہ ہو تو اپنی موجودگی کا ثبوت ضرور چھوڑتے ہیں۔“ یہ کہتے وقت انیسٹر جمشید مسکراتے۔

”آپ کتنا کیا چاہتے ہیں؟ اس نے تھلا کر کہا۔“

”انیسٹر جمشید فرش پر جھکے اور اس کی میز کے نیچے سے

”اندرے نائب میجر کے کمرے میں گئے تھے۔ اب تک لوٹ کر نہیں آئے۔“

”شکریہ! ہمیں ان کے کمرے تک لے چلیں۔“

”آئیے! اس نے کہا۔“

اس کے ساتھ چلتے وہ ایک دُور دروازے کے کمرے تک پہنچے، کالے خان نے دروازے پر دستک دی:

”کون؟“

”میں سر۔ کالے خان۔ میرے ساتھ۔“

انیسٹر جمشید نے فوراً اس کے منہ پر رکھ دیا۔

”ہاں! تمہارے ساتھ کیا؟“

”کچھ مہمان ہیں۔“ انیسٹر جمشید نے اس کی آواز منہ سے

نکالی۔

دردرازہ کھل گیا اور وہ یک دم اندر داخل ہو گئے:

”یہ۔ یہ۔ یہ کیا کالے خان! یہ تم کن لوگوں کو لے آئے؟“

”جی! میں کیا کہہ سکتا ہوں۔“ اس نے گھڑا کر کہا۔

”آپ خود ان سے بات کر لیں۔“ اس نے کہا۔

”کیا بات ہے انیسٹر جمشید صاحب۔“ مارک گرین نے جھلا

کر کہا۔

بولے۔

”شاید میرے آدمیوں سے کوئی چوک ہو گئی۔ اب ان کے حصے کی تلاشی بھی مجھے لینا پڑے گی۔“

”لیکن اس میں تو دو گھنٹے سے بھی زیادہ وقت لگ جائے گا۔ خان رحمان نے پریشان ہو کر کہا۔

”ہاں! وقت تو ضرور لگ جائے گا، لیکن ہم کر ہی کیا سکتے ہیں۔ اگر محمود، فاروق اور فرزانہ ان کی قید میں ہیں اور ہم برآمد نہیں کر پاتے تو یہ بھی کوئی اچھی بات نہیں ہوگی۔“

”ہوں؟ واقعی؟“

اور پھر انھوں نے نئے سرے سے گوشش شروع کی۔ اس گوشش میں سادہ لباس والوں سے مدد نہیں لی گئی۔ وہ الگ کھڑے رہے، تاہم مارے پریشانی کے ان کا بڑا حال تھا، کیونکہ اگر انپکٹر جمشید انھیں تلاشی کر لیتے تو یہ بات ان کے لیے حد درجے شرمندگی کی بات ہوتی۔

پورے دو گھنٹے کی محنت کے بعد آخر انپکٹر جمشید ایک تہ خانے کا سراخ لگانے میں کامیاب ہو ہی گئے۔ اور پھر مارک گرین کو ساتھ لے کر۔ کچھ ذمے دار لوگوں کو ساتھ لے کر وہ اس تہ خانے میں اتر گئے۔

تہ خانے کے فرش پر تینوں بندھے پڑے تھے۔

ایک ننھا سا سنہری کپکپ اٹھا کر اس کی آنکھوں کے سامنے جھلایا: ”یہ کپکپ میری بچی کا ہے۔ مجھے سٹر مارک۔“

”میں نے کہا نا۔ وہ لوگ آتے تھے۔ سوالات پوچھ کر حلے گئے۔“

”اور میں نے بھی کہا نا کہ وہ یہاں سے نہیں گئے۔ اگر ایسا ہوتا تو یہاں سے یہ کپکپ نہ ملتا۔“

”یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے، عمارے خلاف عدالت میں پیش کیا جاسکے۔ اس نے جل کر کہا۔

”مجھے آپ کو عدالت میں پیش کرنے کی ضرورت بھی نہیں دے دیے ہیں آپ کا جرم ثابت کیے بغیر آپ کو یہاں سے نہیں لے جاؤں گا۔“

”تب پھر آپ کو اجازت ہے، شوق سے تلاشی لے لیں۔ ضرور کیوں نہیں! ہم ایسا ضرور کریں گے۔“

انھوں نے فون کر کے اپنے خاص ماتحتوں کو بلایا۔ اور انھیں ہدایات دیں۔ ”تلاشی کا کام شروع ہو گیا۔ انپکٹر جمشید خان رحمان اور پروفیسر داؤد بھی اپنے حصے کی تلاشی لے رہے تھے۔ ایک گھنٹے بعد تلاشی مکمل ہو گئی، لیکن محمود، فاروق اور فرزانہ کا کہیں سراخ نہ ملا۔“

بھرائی ہوئی آواز میں اردو فیکٹر کے لیے pk7e@hotmail.com

نہ جانے ہمارا کیا بنتا ؟

”دفاعت کرو بھی۔ انھوں نے کیا چال چلی ؟“

”مارک گرین نے ہمیں سرخ قل والے کا ایک پتا بتایا تھا، ہم وہاں پہنچے تو پتا بالکل غلط ثابت ہوا۔ واپس آتے تو وہ ہمارے لیے جال تیار کر چکے تھے۔“

”ہوں! خیر۔ اب یہ ہمارے جال سے کیسے نکل سکے گا۔ ہم بھی ان حضرت کو دفتر لے کر جائیں گے اور کمرہ امتحان کی سیر کرائیں گے۔“

”خوبصورت پردہ گرام ہے۔“

”مارک گرین کو دفتر کے کمرہ امتحان میں لایا گیا، وہاں کے آلات دیکھ کر ہی وہ دہشت زدہ ہو گیا۔“

”یہ۔۔۔ یہ کیا ہے ؟“

”پتہ اگوانے کی شینیں۔“

”تو آپ کے خیال میں میں نے جھوٹ بولا تھا۔“

”ہاں! وہاں ۹۰۴ نمبر مکان ہے ہی نہیں۔“

”میں جھوٹ گیا ہوں گا۔ دراصل نمبر ۴۰۹ ہے۔ غلطی سے آٹ بول گیا۔ اس نے کہا۔“

”دیکھو دوست! ہم ۴۰۹ کو بھی چیک کر لیتے ہیں، لیکن اگر وہاں بھی سرخ قل والا نہ ملا تو ؟“

”انپکٹر جمشید سردگواز



تیغوں ہوش میں ہی تھے، انھیں دیکھ کر مسکرائے، لیکن بول کچھ نہ سکے، کیونکہ منہ پر ٹیپ چپکا دی گئی تھی، انپکٹر جمشید نے سب سے پہلے ٹیپ اتاری۔

”یا اللہ تیرا شکر ہے۔ میری زبان سخت مشکل میں تھی، اتنی دیر تک حرکت نہ کرنا اس کے لیے حد درجہ تکلیف دہ تجربہ ثابت ہوا ہے۔“

”لیکن ہمارے لیے یہ تجربہ اٹکا رہا، اتنی دیر ہم تمہاری زبان سے محفوظ رہے۔“ فرزانہ نے جل کر کہا۔

”پہلے یہ بتاؤ! تم یہاں تک پہنچے کس طرح ؟“

”جی بس ایسے ہی آگئے تھے۔ اودھ چہرہ ہم جوئے خانے میں گھس گئے، وہاں مارک گرین صاحب ہم سے آجھ پڑے۔“

حالانکہ ہم نے تو کچھ بھی نہیں کہا تھا۔ اودھ ہم نے بھی پروفیسر انگل کا دیا ہوا پستول نکال لیا۔ ہم نے ان پر قابو پایا اور ان سے اگلا لیا کہ یہ سرخ قل والے کو جانتے

ہیں، لیکن پھر ہم ان کی چال کا شکار ہو گئے، کیونکہ انھوں

اردو فیکٹر کے لیے pk7e@hotmail.com

میں بولے۔

"اس نے مجھے یہی پتا بتایا تھا۔ اب اگر اس نے غلط بتایا تھا تو میں کیا کر سکوں گا۔" اس نے جلدی سے کہا۔
"سچ ضرور بول سکیں گے۔" انیکٹر حشید نے خشک لہجے میں کہا۔

"آپ پہلے ۴۰۰ کو چیک کر لیں، اس سے پہلے آپ مجھ پر سختی نہیں کر سکتے۔"

"ہاں! یہ بات تو خیر ٹھیک ہے۔ لیکن یہ بات بھی کان کھول کر سن لو۔ وہاں سرخ تل والا نہ ملا، یا یہ بات ثابت نہ ہو سکی کہ وہاں سرخ تل والا رہتا ہے تو پھر انجام بہت بے بیابانک ہو گا۔ اس صورت میں ہم تصادی ایک بات بھی نہیں سنیں گے۔"

"بالکل ٹھیک۔" اس نے کہا۔

اسی وقت محمود، فاروق اور فرزانہ کو ۴۰۰ کی طرف بھیجا گیا۔ نمبر تلاش کرنے میں انھیں کوئی وقت نہ ہوئی۔ دروازے پر کھانا بھی نہیں تھا، چنانچہ محمود نے دھک دی۔ جلد ہی قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اور پھر ایک ادھیڑ عمر کی عورت کا چہرہ دکھائی دیا، وہ چہرہ کافی ادا اس تھا۔

"کیا مطلب؟ اس نے چونک کر کہا۔

"یہاں ایک صاحب رہتے ہیں، ان کی ناک کی نوک پر سرخ تل موجود ہے۔ یہ بات ٹھیک ہے نا؟"

"ہاں! ٹھیک ہے۔" اس نے کہا۔

"کیا کہا۔ ٹھیک ہے۔" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"ہاں! کیوں۔ کیا ہوا؟" عورت نے حیران ہو کر پوچھا۔

"ہمیں دراصل اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا۔"

"خود ہی تو کہہ رہے تھے۔ یہاں سرخ تل والا رہتا ہے نا۔ اور میرے کہنے پر حیران ہو رہے ہیں۔" عورت نے

منہ بنا کر کہا۔

"کچھ ایسی ہی بات ہے ماں جی۔ بہر حال ہمیں ان صاحب

سے ملنا ہے۔"

"ابھی اسے لے کر آتی ہوں۔" یہ کہہ کر وہ اندر چلی گئی۔

جلد ہی وہ ایک دیو قامت آدمی کے ساتھ باہر آئی۔

ان کی ناک پر سرخ تل بھی موجود تھا۔ وہ حیرت زدہ رہ

تے۔ علیہ سو فی صد وہی تھا۔ آخر محمود نے کہا:

"آپ کا نام کیا ہے صبی؟"

"میرا نام۔ جی میرا نام ریاض مجید ہے۔" اس نے پریشان

کہہ کر کہا۔

کیس کا انجام

دیو قامت اور سُرخ تل والے کو دیکھ کر بڑی پارٹی کی آنکھیں بھی حیرت سے پھیل گئیں، اس شخص کی تلاش کے سلسلے میں انہیں کافی پریشانی اٹھانا پڑی تھی۔
”تو یہ حضرت مل گئے ہیں؟“

”جی ہاں! مل تو گئے ہیں، لیکن شکل ایک اور آپڑی ہے۔ اور وہ یہ کہ یہ ہمارے ساتھ نہایت شرافت سے آ گئے ہیں، نہ تو انہوں نے خوار ہونے کی کوشش کی، نہ لڑائی جھگڑا کیا، بس یہ کہہ کر ہمارے ساتھ آ گئے کہ قانون کی مدد کرنا ہر شہری کا فرض ہے۔“

”تو پھر! اس میں مشکل کیا ہے؟“ خان رحمان حیران ہو کر بولے۔

”اس میں مشکل یہ ہے کہ ہمیں ان سے اس قدر شرافت کی امید ہرگز نہیں تھی۔ فاروق مسکرایا۔“

”آپ کو ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔“

”لیکن کہاں؟“

”پولیس اسٹیشن۔“

”اگ۔ کیوں۔ میں نے کیا کیا ہے؟ اس نے بوکھلا کر کہا۔“

”ایک معاملے کی تصدیق کرنا ہے۔ امید ہے، آپ قانون

کی مدد کریں گے۔“ فرزانہ جلدی سے بولی۔

”قانون کی مدد کرنا ہر شہری کا فرض ہے۔ چلیے میں چل

رہا ہوں۔“ اس نے کہا۔

اور وہ حیرت زدہ سے اسے ساتھ لے کر دفتر کی طرف

روانہ ہوئے۔

”بس! یہ چار ہوٹل۔“
 ”جی ہاں! روزانہ ان چاروں کو پھلی سپلائی کرنا میرا کام ہے۔“
 ”اور آپ پھلی خریدتے کہاں سے ہیں؟“
 ”میں نے پھلی پکڑنے کا لائسنس لے رکھا ہے، تین چار
 پھیرے ملازم رکھے ہوتے ہیں جی۔“

عمود اس کا بیان ساتھ ساتھ نوٹ کر رہا تھا۔
 ”محمد حسین آزاد۔ تھانہ پرانی حویلی کے اس نگران کو یہاں
 لے آؤ۔ جو زہر دینے کے الزام میں گرفتار ہے۔“
 ”جی بہتر! اس نے کہا اور چلا گیا۔“

”مشر ریاض مجید۔ آپ شیخ خالد ابراہ کو جانتے ہیں؟“
 ”جی! شیخ خالد ابراہ۔ میں اس نام کے کسی آدمی کو نہیں
 جانتا۔ اس نے قدرے حیران ہو کر کہا۔“

”اچھا یہ دیکھیے۔ اس انگوشی کو پہچانتے ہیں؟“
 اس نے انگوشی کو حیران ہو کر ہاتھ میں لیا اور
 دیکھنے لگا:

”میں نے اس انگوشی کو پہلے کبھی نہیں دیکھا۔“
 ”ہوں! اب بینک کے اس ملازم کو بھی بلانا پڑے گا۔“
 ”کو کو انھوں نے ایک پچٹ پر ہدایات لکھ کر ایک سادہ
 اس والے کو دی۔ وہ بھی چلا گیا۔“

”اچھا اب تم اپنی ادھر ادھر کی باتوں کو دہنے دو اور ہمیں
 ان سے بیان لینے دو۔“

”معاملہ کیا ہے جناب؟ اس نے حیران ہو کر کہا۔“

”آپ کا نام کیا ہے جناب؟“

”جی۔ ریاض مجید۔“

”آپ ہوٹل بولیوار جاتے رہتے ہیں؟“

”جی ہاں! جاتا رہتا ہوں۔“

”کیا کرنے کے لیے۔ جوا کھیلنے؟ انپیکٹر جمشید کا لہجہ سرد

ہو گیا۔“

”جوا۔ توبہ توبہ، میرا جوتے سے کیا کام جناب۔ دو

دقت کی روٹی مل جائے، بہت ہے۔ میں پھلی فروخت کرنے

کا کام کرتا ہوں، ہوٹل بولیوار والوں کو پھلی سپلائی کرتا ہوں،

اسی طرح دو چار اور ہوٹلوں کو بھی پھلی سپلائی کرتا ہوں۔ میرا

یہی کاروبار ہے۔ ان ہوٹلوں کا مجھ سے یہ معاہدہ ہے کہ

وہ پھلی کسی اور سے نہیں خریدیں گے اور میری شرط یہ ہے

کہ میرے علاوہ کسی اور سے نہیں خریدیں گے۔“

”ان دوسرے ہوٹلوں کے نام۔ جن کو آپ پھلی دیتے

ہیں؟“

"اب میں آپ کو بتاتا ہوں۔ شیخ خالد ابرار ہمارے ملک کے وزیر خارجہ ہیں۔"

"اوہ! میرا ان سے بھلا کیا واسطہ؟"

"آپ کبھی ان کی کوٹھی بھی نہیں گئے؟"

"جی نہیں۔ بالکل نہیں۔"

"اب ہمیں کچھ دیر انتظار کرنا ہوگا۔"

"میں ابھی تک سمجھ نہیں سکا کہ معاملہ کیا ہے۔"

"یا تو آپ ہر بات کو اچھی طرح سمجھ رہے ہیں یا پھر"

"واقعی کوئی بات نہیں جانتے۔"

"پتا نہیں۔ آپ کیا کر رہے ہیں؟ اس نے پریشان ہو"

کر کہا۔

"انپکٹر جمشید کچھ نہ بولے۔ خاموشی سے اسے دیکھتے رہے، آخر"

"محمد حسین آزاد تھانے کے نگران کو لے کر اندر آیا، جو بھی اس کی"

"نظر سرخ تیل والے پر پڑی۔ وہ چلا اٹھا؛"

"اوہ! وہ یہی تھا۔"

"کیا مطلب۔ یہی تھا؟ اس نے چونک کر کہا۔"

"اس میں شک کی کوئی بات نہیں خباب۔ ان دونوں"

"قیدیوں کو زہر یہی شخص دلوانا چاہتا تھا۔ مجھے رشوت اس"

اردو فیکر کے لیے pk7e@hotmail.com

"یا اللہ رحم! یہ میں کیا سن رہا ہوں؟ وہ بولکھلا اٹھا۔"

"مستر ریاض مجید تصدوی دیر مزید انتظار کریں۔ ان شاء اللہ"

"مردودہ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔"

"پتا نہیں۔ کیا چکر ہے۔ کیا آپ مجھے کسی معاملے"

"میں پھانسا چاہتے ہیں؟"

"میں چاہتا نہیں، لیکن اگر تم نے مجرم کیا تو پھر میں"

"مردودہ پھانسنے پر مجبور ہوں گا۔"

"مجھے پوری بات تو بتائیں۔"

"ابھی نہیں۔"

"آخر سادہ لباس والا بنک کے ملازم کو بھی لے آیا۔"

"دقت تک وہ سیدھے ہو کر آرام سے بیٹھ چکے تھے۔"

"ملازم اندر داخل ہوا تو اس کی نظریں پہلے ریاض مجید پر"

"پڑیں۔ انپکٹر جمشید نے اس سے کہا؛"

"اس طرف دیکھیے۔"

"اے! وہ اچھل پڑا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل"

"یں۔"

"یہ۔ یہ۔ یہ تو وہی ہے۔"

"پتا نہیں کیا چکر ہے۔ ریاض مجید بڑبڑایا۔"

"ایک طعنے مضبوط گواہ موجود ہیں کہ یہ حضرت وہی ہیں"

”اللہ اپنا رحم فرمائے۔ یہ میں بیٹھے بٹھائے کس مصیبت میں پھنس گیا۔“

”پہلی بار بیٹھے بٹھائے پھنسے ہیں، اس لیے عجیب لگ رہا ہے۔ ہمیں دیکھیے۔ دروازہ ہی بیٹھے بٹھائے پھنسے رہتے ہیں۔“ فاروق نے شوخ آواز میں کہا۔

”پتا نہیں، آپ کیا کر رہے ہیں۔ کم از کم آپ کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔“

”شکریہ بھئی! بالکل یہی شکایت ان سے ہمیں بھی ہے۔“ محمود نے فوش ہو کر کہا۔

”جی کیا مطلب؟“

”بس آپ مطلب پوچھنے کے چکر میں نہ پڑیں۔ دروازہ مطلب ہی پوچھتے رہ جاتیں گے۔“

”مخد حسین! انھیں حالات میں بند کر دو۔“

یہ سنا کر انیکٹر جمید آٹھ کھڑے ہوئے۔ انھوں نے ریاض جمید کے بارے میں سادہ لباس والوں کو ہدایات دیں اور گھر آ گئے۔

”آپ کا اپنا کیا خیال ہے؟“ محمود نے پوچھا۔

”میرا خیال ہے۔ یہ شخص بالکل بے گناہ ہے، لیکن اگر یہ شخص دہی ہے۔ جس نے یہ سب کچھ کیا ہے تو پھر اس

بلکہ بالکل دہی ہیں، دوسری طرف یہ صاحب بالکل انجان بن رہے ہیں۔ آخر ہم کریں تو کیا۔“ فاروق نے پریشان ہو کر کہا۔

”صورت حال واقعی عجیب ہے، خیر میں پہلے ان کے اطمینان کے لیے انھیں ساری بات بتا دیتا ہوں۔ اس کے بعد ہم ان سے دو باتیں کریں گے۔“

یہ سنا کر انیکٹر جمید نے اسے بتا دیا کہ وہ کیوں اس کی تلاش میں تھے۔ ان کے خاموش ہونے پر وہ بولا: ”یہ تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے میں نے کوئی ظلم ہو کر باسنی ہو۔“

”تو آپ یہی کہنا چاہتے ہیں، ان تمام معاملات میں آپ کسی طرح بھی ملوث نہیں ہیں؟“

”ہاں میں یہی کہتا ہوں۔“

”اب ہم آپ کے بیان کی تصدیق کریں گے۔“ انیکٹر جمید نے سر آواز میں کہا۔

”لیکن کیسے کریں گے؟ اس نے بے چین ہو کر کہا۔“

”یہ ہمارا کام ہے۔ آپ فی الحال حالات میں رہیں گے۔ اگر ہمارا اطمینان ہو گیا تو ٹھیک۔ دروازہ ہم آپ

تیں۔

”شکل ہے۔ بلکہ بہت مشکل۔ وہ بولیں۔

”مشکلات کو آسان کرنے والے اللہ تعالیٰ ہیں“ محمود

نے کہا۔

”اں ! یہ تو ہے“

ابھی انہوں نے کمانے کی طرف ممتد بڑھایا ہی تھا

کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی:

”دیکھا ! میں نے کہا تھا نا۔ بیگم جمشید نے بتا کر

کہا۔

”ال۔ لیکن امی جان ! اس میں ہمارا کیا قصور“

ادھر انیکٹر جمشید نے ریسیور اٹھا لیا اور بولے:

”انیکٹر جمشید بول رہا ہوں“

وہ دوسری طرف کی بات سنتے رہے، پھر ہوں اچھا

کہا کہ ریسیور رکھ دیا:

”تم لوگوں نے تمام متعلقہ آدمیوں کے فون ٹیپ کرائے

تھے؟ انیکٹر جمشید نے پوچھا۔

”جی اں ! کیا کوئی اطلاع ملی ہے“

”میرا خیال ہے۔ تم اس مرتبہ مجھے پیچھے چھوڑ گئے ہو۔

مطلب یہ کہ کامیابی اس بار تمہارے ہتھ میں آگئی ہے“

سے بڑا اداکار میری نظر نہیں گذرا ہو گا:

”اگر یہ شخص وہ نہیں ہے تو پھر اس کا صاف مطلب

یہ ہے کہ کسی نے اس کے میک آپ میں پہ سارے

کام کیے ہیں اور کام کرنے کے بعد میک آپ اتار دیا

ہے۔ تاکہ اس کی بجائے پکڑا جائے تو صرف یہ“ فرزانہ

نے جلدی جلدی کہا۔

”اں بالکل ! میں اسی لائن پر سوچ رہا ہوں، لیکن

پہلے ہم اس کے بیان کی تصدیق کریں گے“

”تصدیق کے بعد آپ اس کی نگرانی بھی کروا سکتے

ہیں۔“ فرزانہ نے کہا۔

”ضرورت محسوس کی تو ایسا بھی کرایا جائے گا“

”اور جہاں تک ہم جانتے ہیں، آپ اسے کمرۂ امتحان

میں نہیں لے جائیں گے“ محمد مسکرایا۔

”اں ! کمرۂ امتحان میں میں صرف اس وقت لے جاؤں

ہوں، جب مجھے کسی کے جرم میں کوئی شبہ نہ رہ جائے، لیکن

وہ اگلنے پر تیار نہ ہو“

”ہوں۔ اس کا مطلب ہے۔ اس مرتبہ تو اطمینان سے

کمانا کھا ہی سکیں گے“ خادوق نے مسکرا کر اپنی والدہ کی طرف

ان کی طرف اشارہ کر دیا

نہیں لگے گی۔“

”جھے ایک فی صد امید نہیں۔ بیگم بولیں۔“

”کس بات کی۔ زیادہ دیر نہ گفنے کی۔“ انپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

”نہیں! بلکہ اس بات کی کہ فارغ ہونے کے بعد بھی آپ اطمینان سے کھانا کھا سکیں گے۔ اس وقت بھی کوئی فون آٹپکے گا اور آپ یہی کہتے ہوئے دوڑ پڑیں گے کہ ہم بس ابھی آتے۔“ انھوں نے جل بھن کر کہا۔

”تب پھر اس کا ایک ہی حل ہے۔ آپ ہمیں سفری کھانا تیار کر دیا کریں۔ جو بھی ہمیں کہیں جانا پڑے۔ ہم کھانا ساتھ لے جائیں۔“ فزانہ نے ترکیب بتائی۔

”اب شاید یہی کرنا ہوگا۔“ وہ بولیں۔

”تو پھر تم اس کی تیاری کرو۔ ہم ذرا ادھر سے فارغ ہو آئیں۔“

وہ باہر نکل کر گاڑی میں بیٹھے اور ٹیلی فون ایکس چینج کی طرف روانہ ہوئے۔

”حیرت ہے، اس قدر چالاک مجرم اس چال میں کس طرح آگیا۔“ انپکٹر جمشید بڑبڑاتے۔

”اس نے سوچا ہوگا، اس کی چالاک کے پیش نظر ہم

”یہ۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں آبا جان؟“ تینوں ایک ساتھ بولے۔

خان رحمان اور پروفیسر واؤد بھی حیرت زدہ انداز میں ان کی طرف دیکھنے لگے۔

”ہاں! ایک فون نوٹ کیا گیا ہے۔ شعلہ آدمیوں میں سے ایک نے کسی کو یہ پیغام دیا ہے کہ وہ شدید خطرہ محسوس کر رہا ہے۔ اور یہ کہ اس کے بچاؤ کا انتظام فوراً سے چلے کر لیا جائے۔“

”اور وہ آواز۔ میرا مطلب ہے۔ آواز ریکارڈ کر لی گئی ہے؟“

”ہاں! اور اس کیس میں شاید یہ پہلی فلیپی اس سے سرزد ہوئی ہے۔“ انھوں نے پُر جوش انداز میں کہا۔

”وہ مارا۔“ تینوں ایک ساتھ چلائے۔

”ہم ابھی اور اسی وقت وہ آواز سُنے جا رہے ہیں۔“ انپکٹر جمشید بولے۔

”اور۔ اور کھانا؟“ بیگم جمشید چلائیں۔

”بس بیگم۔ اب یہ کیس ختم ہوا چاہتا ہے۔ اب ہم فارغ ہونے کے فوراً بعد یہاں آئیں گے اور ڈسٹ کر

”اس نے سوچا ہوگا، اس کی چالاک کے پیش نظر ہم“

”بہت خوب! کام جاری رہے۔ ہم اپنا کام شروع کرتے ہیں۔ ہاں! احکام ٹھیک ہے۔ وہیں طاقت ہو گی۔“

یہ کہہ کر انیکٹر جمشید نے ریسپور دکھ دیا اور اٹھتے ہوئے بولے:

”کیس اپنے انجام کو پہنچا چاہتا ہے۔ آئیے آخری ضرب لگائیں۔“

”آخری ضرب۔ بھئی واہ! یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔“ فاروق بولا۔

”ہو سکتا ہوگا۔ ہم نے ناولوں کی دکان نہیں کھول رکھی، نہ ہم میں سے کوئی مصنف ہے۔“ فرزاز جمل گئی۔

”مصنفوں کے لیے مواد تو میا کرتے ہیں۔“ فاروق بھی تھلا کر بولا۔

”بھئی واہ! اچھا جواب ہے۔“ پروفیسر داؤد نے خوش ہو کر کہا۔

جلد ہی وہ شیخ خالد ابرار کی کوشی کے سامنے پہنچ گئے، گھنٹی کے جواب میں ملازم نے دروازہ کھولا:

”شیخ صاحب کو اطلاع دیں۔“

”جی بہتر! ملازم انھیں ڈرائنگ روم میں بٹھا کر چلا

اس رُخ سے گلشن نہیں کریں گے۔“ فرزاز بولی۔

”اس کے علاوہ کیا کہا جا سکتا ہے؟“ خان رحمان نے کندھے اچکائے۔

ٹیلی فون دفتر پہنچ کر انھوں نے اس آواز کو سنا، جس نمبر سے فون کیا گیا تھا، وہ نمبر بھی انھوں نے نوٹ کر لیا اور

پھر سادہ لباس والوں کی ڈیوٹیاں لگا کر گھر آ گئے، ایسے میں انیکٹر جمشید نے بیگم سے کہا:

”اس وقت، ہم ان شار اللہ پورے اطمینان سے کھانا کھائیں گے، کیونکہ محرم اب ہمارے جال میں ہے۔“

”یقین نہیں آتا۔“

”ابھی آ جاتے گا۔“

”وہ کھانا کھانے لگے۔ کھانا کھانے کے بعد بھی کہیں جانے کی ضرورت پیش نہ آئی۔ ایسے میں انیکٹر جمشید بولے:

”اب کیا خیال ہے بیگم؟“

”میں تو اسے ایک مدد اتفاق ہی کہوں گی۔ انھوں نے مسکرا کر کہا۔

”میں اس وقت فون کی گھنٹی بجی۔ انیکٹر جمشید نے ریسپور اٹھایا اور دوسری طرف کا پیغام سننے لگے، پھر اپنا

گیا۔

دو منٹ بعد شیخ صاحب اندر داخل ہوئے ،

”خیر تو ہے انپکٹر صاحب؟ وہ لوے۔“

”آپ کا کیس حل ہو گیا۔ عرصہ دراز پہلے شروع کی جانے والی ایک سازش آخر اپنے انجام کو پہنچ گئی۔“

”کیا مطلب؟“

”مطلب میں ابھی بتاؤں گا۔ آپ سب لوگوں کو یہاں بلا لیں۔ بلکہ کچھ اور لوگوں کو بھی۔ یہ میں نے ان کے نام چٹ پر لکھ دیے ہیں۔“

انھوں نے چٹ لے کر نام پڑھے اور پھر حیرت زدہ انداز میں انہیں باری باری فون کرنے لگے۔ ایک گھنٹے بعد شیخ خالد ابرار کے کمرے میں نہ صرف گھر کے سب افراد جمع تھے ، بلکہ جاسا اینڈ کو کا ٹارڈی ، پرانا ملازم غیاث دین ، بینک کا وہ کلرک جس کے پاس سُرخ تل والا گولھی بھول گیا تھا ، سُرخ تل والا شخص جس کا نام ریاض مجید تھا وغیرہ۔ اور پھر چٹ پر لکھ کر دیے گئے تمام افراد وہاں جمع تھے۔

”انپکٹر صاحب! سب لوگ جمع ہو چکے۔ اب فرمائیے۔“

اور سر۔ کہ سا۔ جمع کر۔ نہ کہ۔ آخر کیا ضرورت تھی؟

اردو فینز کے لیے pk7e@hotmail.com

”جی ضرور۔ یہ وضاحت کرنے کے لیے ہی تو سب کو جمع کیا گیا ہے۔ یہ کہانی۔ میرا مطلب ہے ، سازش کی کہانی دراصل اس وقت شروع ہوئی، جب شیخ خالد صاحب نے یہ کوٹھی بنوانا شروع کی۔ کہنے کو تو یہ بات بھی کہی جا سکتی ہے کہ سازش اس سے بھی پہلے شروع ہو چکی تھی ، لیکن اس نے اہل رنگ اس وقت سے اختیار کیا جب یہ کوٹھی بنانے کا پروگرام بنا۔ اور سازش یہ تھی کہ وزیر خارجہ صاحب کے ہر پروگرام اور ہر اہم ملاقات کی پوری تفصیل ہمارے دشمن ملک شارجہ کو معلوم ہوتی رہی۔ دشمن ملک نے جانپ لیا تھا کہ آج جو شخص وزارت خارجہ کا سیکرٹری ہے۔ اس میں اس قدر قابلیتیں ہیں کہ وہ کل ملک کا وزیر خارجہ ہو گا ، لہذا سازش کا جال اسی وقت تیار کر لیا گیا۔ اور جال بچھایا جانے لگا۔ شیخ صاحب پہلے پرانی حویلی میں رہتے تھے ، پھر ان کی بیوی وفات پا گئیں اور کچھ عرصہ بعد انھوں نے دوسری شادی کر لی۔ پرانی حویلی میں پہلی بیوی کی یادیں بکھری ہوئی تھیں لہذا انھوں نے ایک نئی کوٹھی بنانے کا پروگرام

ترتیب دیا، ادھر سازشی ذہن اپنا کام کرنے کے لیے بالکل تیار ہو گیا۔ جب شیخ صاحب نے جاسا اینڈ کو سے معاہدہ کر لیا تو سازشی ذہن نے بھی جاسا اینڈ کو سے ایک عدد معاہدہ کیا۔ چونکہ جاسا اینڈ کو غیر مسلحوں کی کمپنی ہے، اس لیے مسلمانوں کے خلاف ایسا کام کرنے سے انھوں نے بالکل انکار نہ کیا، بلکہ ذمے داری قبول کر لی اور اس طرح وہ سرنگ اور تہ خانہ تعمیر کیے گئے۔ کوٹھی کے گرد چار دیواری بنائی گئی، اس کے باہر اور اندر اس طرح درخت لگائے گئے کہ ان کے ذریعے جب جی چاہے، آسانی سے باغ تک پہنچا جاسکے۔ اور اپنی ضرورت پوری کی جاسکے۔ اس ضرورت کی طرف میں ابھی روشنی ڈالوں گا۔

شیخ صاحب نے اپنے بیٹے کی آمد پر ایک دعوت کا انتظام کیا، لیکن اس انتظام کے پردے میں دراصل کچھ مسلحوں کے وزیرائے خادمہ سے خفیہ ملاقات کرنے کا پروگرام تھا۔ شیخ صاحب بہت عرصے سے یہ محسوس کر رہے تھے کہ ان کے پروگراموں سے شہر

کرنے کے لیے انھوں نے اس دعوت کے موقع پر میری خدمات حاصل کر لیں اور اپنے خیالات بھی مجھے بتا دیے، میں نے پہلے اندر کی تلاشی لی، پھر ہر آنے والے حمان کو تلاشی کے بعد اندر داخل ہونے دیا۔ ادھر مجرموں نے ایک شان دار چال چلی۔ ان کا خیال تھا کہ کہیں میں ان کے اندرونی نظام تک نہ پہنچ جاؤں۔ لہذا انھوں نے ہمیں دھوکا دینے کے لیے میٹنگ کی گفت گو سننے کے لیے ایک بھونڈا سا انتظام کر ڈالا، مقصد یہ تھا کہ ہم اس انتظام کا خاتمہ کر کے مطمئن ہو جائیں گے اور وہ مرنے سے پوری کارروائی ٹیپ کرتے رہیں گے اور سرنگ کے ذریعے نو دہ گیارہ ہو جائیں گے۔ لیکن ان کے پروگرام میں پہل گڑبڑ اس وقت ہوئی۔ جب محمود فاروق اور فرزاد تہ خانے اور تہ خانے سے سرنگ تک پہنچ گئے۔ اور وہاں ان کا ٹھکانا یوگو اور ماجد سے ہو گیا، خیران دونوں کو گرفتار کر لیا گیا۔

اب سوال یہ پیدا ہوا کہ کوٹھی کے نیچے تہ خانہ اور سرنگ کس طرح بن گئے، جب کہ شیخ صاحب نے یہ نہیں بنوائے تھے، اس سلسلے میں ہمیں جاسا اینڈ کو

ہمت بھاگ دوڑ کرنا پڑی، دراصل مجرم نے اپنے آپ کو بچانے کے لیے شروع سے ہی ایسے انتظامات کر رکھے تھے کہ بھول کر بھی ہم نے اس کے بارے میں نہیں سوچا۔ اگرچہ یہ چیز ہمارے اصول کے بالکل خلاف ہے، لیکن اس مرتبہ یہ اصول بھی ہم بھول گئے۔ ہمیں یاد نہ رہ گیا کہ سب پر شک کرنا، ہمارا پہلا اصول ہے، پھر اچانک یہ جملہ سامنے آیا اور میں نے ذہن دوڑانا شروع کیا کہ اب تک میں نے کس شخص کو شک کی زد میں نہیں لیا۔ یہ سوچتے ہی شیخ خالد ابرار کا نام میرے ذہن میں آ گیا۔ ہم نے اس مرتبہ واقعی کیس کے سب سے اہم آدمی کو شک کی نظر سے دیکھا تک نہیں تھا۔ انپکٹر جمشید نے کہا۔

”لگ۔ کیا مطلب؟ کئی لوگ بری طرح ہکلائے۔ شیخ خالد ابرار تو انپکٹر جمشید کو تیز نظروں سے گھورنے لگے اور پھر بول اُٹھے۔

”آپ کتنا کیا چاہتے ہیں؟

”ہم نے جائزہ لینا شروع کیا کہ کیا یہ کام آپ کا ہو سکتا تھا۔ ہیرے کی انگوٹھی یاد آئی۔ اور میرا شک پختہ ہونے لگا۔ آپ کے لیے یہ سب کام حد درجے آسان تھا، اپنی کوٹھی میں جاسا اینڈ کو کے ذریعے تہ خانہ اور سرنگ بنوانا

سے رابطہ قائم کرنا پڑا، کیونکہ یہ کوٹھی اس کمپنی نے بنائی تھی۔

جاسا اینڈ کو سے یہ عجیب بات معلوم ہوئی کہ انھیں ایک نامعلوم آدمی نے ایک بڑی رقم دی تھی، صرف اس کام کے لیے کہ وہ اس کوٹھی کے نیچے ایک عدد تہ خانہ اور تہ خانے سے ملتی ہوئی ایک سرنگ بنا دیں گے جو کہ قریب کی ایک آسیب زدہ عمارت میں جانکے گی۔ جاسا اینڈ کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ اسے تو پیسے سے غرض تھی۔ سو اس نے یہ کام کرا دیا۔ گویا اتنے عرصہ پہلے یہاں جاسوسی کے دروازے کھول دیے گئے۔ یہاں تک کہ انپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔

”افسوس افسوس۔ میں نے آپ کو پہلے کیوں نہ بتلایا۔ شیخ خالد ابرار نے اپنی پیشانی پر ہاتھ مارا۔

”انسان مجبور ہے، آپ نے اس بات کو محسوس ہی اب کیا ہے۔“ انپکٹر جمشید بولے۔

”ابھی تک آپ نے یہ نہیں بتایا کہ آخر یہ سارا کام کرانے والا تھا کون؟

اس سلسلے میں ہمیں اردو فینز کے لئے pk7e@hotmail.com

جس قدر آسان تھا، اس قدر آسان کسی دوسرے کے لیے نہیں ہو سکتا تھا۔

”نہیں! آپ نے بالکل غلط اندازہ لگایا ہے، اس معاملے سے میرا ذرا بھی تعلق نہیں ہے۔ شیخ صاحب نے بتا کر کہا۔“
”نہیں جانیے جناب والا۔ آپ کو بھی ہر بات کہنے کا پورا پورا موقع دیا جائے گا۔“

”آٹ میرے مالک۔ تہ۔ تہ تو کیا جیشہ۔ پروفیسر داؤد اس سے آگے کچھ نہ کہ سکے۔“

”پہلے مجھے بات مکمل کر لینے دیجیے۔ ادھر میں، خان

رحمان اور پروفیسر داؤد اپنی تفتیش میں مصروف تھے :

ادھر محمود، فاروق اور فرزاد اپنی کوشش میں لگے ہوئے

تھے۔ انھوں نے ایک بالکل نئی چال چلی۔ یہ کہ محکمہ

ٹیلی فون کے ذریعے ان تمام لوگوں کے فون ٹیپ

کروا دیے۔ جن کا تعلق کسی نہ کسی طرح اس کیس سے

تھا۔ دراصل ہمیں تلاش تھی اس سرخ تل والے کی۔

کیونکہ یہ بات ثابت ہو چکی تھی کہ سرخ تل والے

نے مرکزی کردار ادا کیا ہے اور یہ بات وہ فوراً بتا

سکتا ہے کہ کوشی کے نیچے سرنگ اور تہ خانہ کس نے

لیکن سرخ تل والا کسی طرح بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔

کوشش کے بعد بھی، ہم کسی کے خلاف کوئی ثبوت

حاصل نہیں کر سکے تھے اور ایسے کیس ہماری زندگیوں

میں عدد درجے کم آتے تھے۔ وہ نہ ہم لوگ تو ثبوت

کی بھر مار کر دیتے تھے۔ لیکن پھر آخر کار مجرم سے

زبردست غلطی ہو ہی گئی۔ دراصل اس کے وہم و

گمان میں بھی یہ نہیں تھا کہ ان کا فون نمبر بھی ٹیپ

کر دیا جاسکتا ہے۔ ان کا تو خیال تھا کہ وہ بالکل

محفوظ ہیں۔ ان پر کسی کو شک ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر وہ

ہماری سمجھ کے مطابق کوئی ذرا بھی حرکت نہ کرتا تو

اس بار کا مجرم پکڑنے میں ہمیں دانتوں پیسنہ آ جاتا۔“

انھوں نے روانی کے عالم میں کہا۔

”گویا ادھر اس نے فون کیا، ادھر وہ قابو میں آ گیا۔“

”ہم۔ میں نے کسی کو ایسا فون نہیں کیا۔“ انھوں نے

کر کہا۔

”وہ فون ٹیپ کیا گیا ہے جناب عالی۔ اکیس چیچ

نے وہ فون نمبر بھی ریکارڈ کیا ہے جس سے فون کیا گیا

انیکٹر جیشہ سکرائے۔“

”ہمیں بھی وہ فون سنوایا جائے۔“ شیخ صاحب نے

”جی بہتر! اکرام۔ ٹیپ ریکارڈر آن کرو۔ پروفیسر صاحب، آواز کو بڑا کرنے والا آلہ اس سے منسلک کر دیں۔“

”یہ انتظام چلے ہی کر لیا گیا ہے۔“
”اس سے چلے کہ میں ٹیپ آن کراؤں۔ ایک بات اور بتا دوں۔“

”چلیے، وہ بھی بتا دیں۔“ محمود نے خوش ہو کر کہا۔
”سرخ تل داے کا دُوب دھارنے والے کے لیے یہ آسانی بھی پیدا کی گئی تھی کہ وہ رات کے وقت جہ پچا ہے، کوٹھی میں داخل ہو سکے اور اپنے ساتھی سے ملاقات کر سکے۔“

”اب مجھے یہ افصوس ہو رہا ہے کہ میں نے آپ کو کیوں بلایا تھا۔ اور دوسری بات یہ کہ میں حیرت زدہ ہوں، آپ اس قدر مشہور کس طرح ہو گئے۔ آپ میں تو سرافرازوں والی ایک بات بھی نہیں۔“ شیخ خالد ابرار نے تلملا کر کہا۔
”میرا بھی یہی خیال ہے۔ مجھے سراخ رسانی کی اف بے بھی نہیں آتی۔ اور اس کی وجہ یہ ہے شیخ صاحب کہ علم کی کوئی انتہا نہیں ہے۔“

”سوال یہ ہے کہ آپ اتنے مشہور کیسے ہو گئے؟“
انھوں نے کہا۔

”مزے کی بات یہ ہے کہ دوسری طرف سے بولنے والے کی آواز بھی صاف پہچان لی گئی ہے۔“

”اوہ! ان سب کے مزے سے ایک ساتھ نکلا۔“

”اور وہ اس شخص کی آواز ہے۔ جس نے سرخ تل داے کا کردار ادا کیا ہے۔ اس کا قد و قامت ضرور لمبا چوڑا ہے، لیکن اس کی ناک کی نوک پر سرخ تل نہیں ہے۔ اس غریب پھلی فروش کو دیکھ کر وہ میک آپ کیا گیا تھا تاکہ اگر کسی کوئی پھنے بھی تو وہ۔ اصل آدمی کی گرد کو بھی کوئی نہ پہنچ سکے۔ اور اس لحاظ سے یہ ایک مکمل ترین منصوبہ تھا، اگر ہم اس سارے منصوبے میں سے اس فون کال کو نکال دیں تو مجرم تک نہیں پہنچا جاسکتا۔“

”ہوں! واقعی اس لحاظ سے یہ ایک خاص کیس ہے۔ اب مہربانی فرما کر آپ وہ فون سنائیں۔“ شیخ خالد نے جل کر کہا۔

”شاید آپ کو مجھ پر غصہ آ رہا ہے، لیکن جناب آپ یہ نہ بھولیے کہ آپ نے خود ہی مجھے یہاں بلایا تھا، اس میں میرا کیا قصور؟“ وہ بولے۔

”میں نے قصور نہیں پوچھا۔ فون پر ہونے والی گفتگو

اردو فیزکس لیتے
پر نہیں لگا تھا۔ یہ پہلا موقع ہے۔

اب کیا پروگرام ہے؟

”تم آج رات آؤ۔ مل کر کوئی پروگرام بناتے ہیں۔ یا پھر اپنے چیف سے رابطہ قائم کریں گے۔ ہم چیف پر واضح کر دیں گے کہ اب ہم اس دشمن ملک میں خود کو بالکل غیر محسوس کر رہے ہیں اور اگر ہم یہاں سے اڑ چکے ہوں گے تو ہم گئے کام سے۔“

”ٹھیک ہے۔ میں آج رات وقت مقررہ پر آؤں گا۔ اور ہم اپنے پروگرام کو آخری شکل دیں گے۔“

”شکریہ! ریسیور رکھنے کی آواز سنائی دی۔“

”لیکن انپکٹر صاحب۔ ان آوازوں میں میری آواز تو نہیں ہے۔“ شیخ خالد ابرار نے طنز یہ لہجے میں کہا۔

”آپ نے شاید اسی لیے توجہ نہیں دی۔“ انپکٹر جمشید مسکرائے۔

”توجہ نہیں دی۔ کیا مطلب؟“

”آوازوں پر توجہ۔ کہ آپ کی آواز تو آپ کو سنائی ہی نہیں دی۔“

”ہاں تو پھر۔“

”ایک بار پھر آوازیں سنئے اور یہ جاننے کی کوشش کیجئے کہ

”انے ہم صرف اور صرف اللہ کی مرضی کر سکتے ہیں۔ انپکٹر جمشید مسکرائے۔“

”خیر۔ آپ دو گفٹ گوسائیں اور بات ختم کریں، اگر میں مجرم ہوں تو پھر مجھے سزا ملنی چاہیے۔“

”اد کے سر۔ احکام۔ سوچ آن کر دو۔“

”جی ہنر!“ اس نے کہا اور محکم کی قبیل کی۔

پچھلے کی سرسبز کے بعد آواز ابھری:

”ہیلو۔ ہیلو۔ نمبر دو۔ میں بہت بڑا خطرہ مول لے کر تمہیں فون کر رہی ہوں۔ گذشتہ رات تم سے ملاقات ملے تھی۔ اس میں چند بہت اہم دستاویز تمہارے حوالے کرنا تھیں، لیکن پروگرام کے مطابق تم نہیں آئے۔ میں اب خود کو انتہائی خطرے میں محسوس کرنے لگی ہوں۔ انپکٹر جمشید کی نظروں سے بچنا حال محسوس ہو رہا ہے۔ اتنے عرصے تک اس قدر کامیابی سے آپریشن کرنے کے بعد میں اب خود کو بے بس اور بے یار و مددگار محسوس کر رہی ہوں۔ تم سن رہے ہو؟“

”ہاں نمبر دو۔ میں سن رہا ہوں اور میرے اپنے بھی یہی خیالات ہیں۔ اب سے پہلے کبھی انپکٹر جمشید ہمارے راتے

آوازیں کس کی ہیں؟

یہ کہہ کر انھوں نے اشارہ کیا، ٹیپ ریکارڈر پھر سے آن کیا گیا۔ اب جو انھوں نے آوازوں پر دھیان دیا تو ان کا رنگ یک لخت اڑ گیا۔ وہ کانپ کر بولے:

”میرے اللہ! یہ۔ یہ آواز تو رضوان کی ہے“

”ہاں جناب! آپ نے ٹھیک پہچانا۔ یہ آواز آپ کی بیگم رضوان کی ہے اور دوسری آواز مارک گرین کی۔ یعنی ہوٹل بولیمار کے نائب مینجر کی۔ یہ دونوں شارجہ کے جاسوس ہیں۔ رضوان کو آپ کے دفتر میں صرف اور صرف جاسوسی کے لیے ملازم کرایا گیا تھا۔ اس دوران آپ کی بیوی فوت ہو گئیں۔ آپ ان کی خوب صورتی سے متاثر ہو چکے تھے، لہذا انھیں شادی کا پیغام دے ڈالا، یہ گھبرا گئیں، کیونکہ یہ تو دشمن ملک کی جاسوس تھیں اور اپنی ڈیوٹی انجام دے رہی تھیں۔ انھوں نے فوراً اپنے بڑوں سے پوچھا۔ ادھر سے فوراً اشارہ ملا کہ شادی کر لی جائے، اس طرح تو اور بھی جاسوسی کے مواقعے ملیں گے، چنانچہ شادی ہو گئی اور جب شادی کے بعد نئی کوٹھی بنوانے کے لیے

مدد درجے سنہری موقع ثابت ہوا، جاسا اینڈ کو سے رابطہ قائم کیا گیا اور اس طرح یہ سب کچھ ہوا۔ میرا خیال ہے، اب آپ کو کوئی شک نہیں رہ گیا ہو گا۔ اور اگر ایک فی صد بھی شک باقی ہے تو میں نے اسی لیے مارک گرین کو نہیں بلایا تھا۔ تاکہ ہم سب اسے اپنی آنکھوں سے کوٹھی میں داخل ہوتے اور پھر رضوان صاحبہ کے کمرے کی طرف آتے دیکھ لیں، اور جب رضوان آج اس تک نہیں پہنچے گی تو وہ ضرور انھیں آوازیں بھی دے گی۔ یہ آوازیں بھی ریکارڈ کی جائیں گی اور پھر ٹیپ ریکارڈر کی ان آوازوں سے ملا کر دیکھ لیا جائے گا۔ کیسے کیا خیال ہے؟

وہ کیا خیال ظاہر کرتے، ان کی تو عقل دنگ رہ گئی تھی۔

”رضوان! تم اپنی صفائی میں کچھ کہو گی؟ شیخ صاحب نے دیکھ بھرنے لہجے میں کہا۔

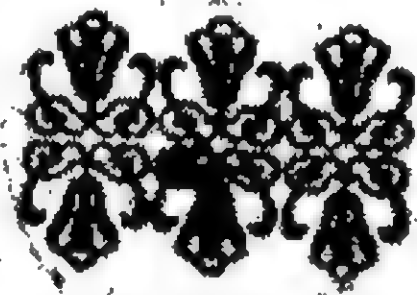
اس کے منہ سے کوئی جواب نہ نکل سکا۔ اس قدر مکمل ثبوت کی موجودگی میں اب وہ کیا کہتی۔

اور پھر رات کے وقت انھوں نے درخت کے ذریعے مارک گرین کو آتے اور اترتے دیکھا۔ پھر وہ اندر چلا آیا۔

لیکن ہاتھ جان بوجھ کر ترچھا مارا، جو فاروق کی ران کا مزاج پوچھ گیا۔ اس نے تلملا کر کہا:

"اس قدر کچے نشانے والے اچھے جاسوس نہیں ہو سکتے، لہذا ٹمائیں ٹمائیں فٹش۔"

پتا نہیں یہاں ٹمائیں ٹمائیں فٹش کا کیا موقع تھا، بہر حال انہیں مسکرانا تو پڑ ہی گیا۔



اور ایک کمرے میں داخل ہو گیا۔ وہ بار بار گھڑی دیکھ رہا تھا۔ آخر کمرے کے دروازے پر آ کر آہستہ آواز میں پکارا:

"رضوانہ! میں آپکا ہوں، تم کہاں ہو؟"

انپکٹر جمشید کے اشارے پر رضوانہ کمرے کے اندر داخل ہوئی:

"ہاں! رضوانہ! اب بتاؤ۔ تمہیں انپکٹر جمشید کی طرف سے کیا خطرہ ہے؟"

"یہ بات تمہیں، ہم بتا دیتے ہیں بھئی۔" محمود نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

وہ اس قدر زور سے اچھلا کہ دھڑام سے گر ہی گیا۔ اور پھر اکرام کے ماتحتوں نے اسے قابو کر لیا۔ اس کے چہرے پر حیرت کا ایک ایسا سمندر نظر آیا جو موجیں بھی مار رہا تھا۔

"اسے کہتے ہیں، کیس کا تیا پانچہ ہونا۔" فاروق کی آواز ابھری۔

"ہاں بھئی۔ اب تمہاری باری ہے۔" پروفیسر داؤد مسکرائے۔

"پتا نہیں۔ کیا بات ہے۔ جب ہمدی باری آتی ہے تو کیس ختم ہو جاتا ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"جیسی روح ویسے فرشتے۔" فرزانہ بول اٹھی۔

"دھت ترے کا۔" محمود نے جھٹک کر اپنی ران پر ہاتھ مارا،

ایکے نادر کتابے

امیر عزیزیت مولانا حق نواز شہید

شائع ہو گئی ہے

○ آپ کے ادارے سے جاری کردہ پہلی خوب صحت ترین کتاب -

○ مضبوط جلد والی - چار رنگا گروپوش سرودق -

○ بہترین سفید کاغذ

○ عمدہ کتابت

○ صفحات ۳۲۰

○ سائز ۱۶/۳۴ x ۲۳

○ اس شخص کی داستان جس نے صحابہ کرامؓ کی عظمت بیان کرنے

کا شہر اٹھایا تھا

اردو فیز کے لیے pk7e@hotmail.com

○ صحابہؓ کے دشمن اس کی جان کے دشمن بن گئے -

○ انھوں نے اس کے خلاف مقدمات بنائے ، اس پر قاتلانہ

حملے کیے ، بار بار اسے گرفتار کر لیا ، جیلوں میں ٹھنکوا یا - گروہ

اپنے عزم سے باز نہ آیا -

○ اسے قدم قدم پر دھکیا دی گئیں ، جینا حرام کرنے کی

سازشیں کی گئیں -

○ اس نے صرف ۲۸ سال عمر پائی ، ۳۸ سال میں سے بھی

اس کی زندگی کا زیادہ تر حصہ جیلوں میں گزرا -

○ ایک ایسے آدمی کی کہانی جو جیل سے نکلا تو استقبال کرنے

والوں نے اس کی کار کو کندھوں پر اٹھایا - آپ نے

یٹروں کو کندھوں پر سوار کرتے تو دیکھا ہوگا ، جس کار

میں لیٹڈ بیٹھا ہو ، اس کار کو کندھوں پر اٹھاتے کسی کو

نہ دیکھا ہوگا -

○ جب اس نے آواز بلند کی تو کوئی اس کی آواز میں آواز ملانے

کے لیے تیار نہ ہوا -

○ وہ پندرہ سال تک اس میدان میں اکیلا ہی ڈٹا رہا - یہاں

تک کہ اس ملک کے نوجوان اس کے گروہ جمع ہونے لگے -

○ وہ جو مشرے لے کر اٹھا تھا - اس کی صدائیں پورے ملک میں

گوںجے لگیں -

کیسا فائدہ

- اس ماہ آپ نے "سانپ کی آستین"، امیر عزمیت مولانا حق نواز شہید، "پرفورمنس"، "ٹانگ باس"، "چھانسی گھر"، "موناش + حیرال" اور "دسمبر ۱۹۹۹" کا چاند تارے پڑھے۔
- آئندہ ماہ آپ خاص نمبر سمندر کی آگ، قیمت ۳۸/۰۰ روپے، "شہر کی طاقت" قیمت ۱۶/۰۰ روپے اور جنوری ۱۹۹۹ کا چاند تارے قیمت ۱۰/۰۰ روپے پڑھیں گے۔
- ان تمام مطبوعات کی کل قیمت ۴/۰۰ روپے بنتی ہے۔
- آپ صرف اور صرف ۵۴/۰۰ روپے ارسال کر کے یہ کتب گھر بیٹھے حاصل کر سکتے ہیں۔
- اس طرح آپ پورے ۲۰/۰۰ روپے بچا سکتے ہیں۔
- آپ منی آرڈر، پوسٹل آرڈر، بینک ڈرافٹ اور ڈاک منکٹ درج ذیل پتے پر ارسال کریں:

اشتیاق احمد

دی ۶/۸ سٹریٹ ٹاؤن، جنگ

- لیکن پھر۔ اس کے دشمنوں نے اسے شہید کر دیا۔
- اسے کس طرح شہید کیا گیا۔ تمام حالات اور واقعات تفصیل سے تحریر کیے گئے ہیں۔
- مؤلف نے اس کی زندگی کے ہر پہلو پر بات کی ہے۔ اس کی زندگی کی ہر کہانی سنانے کی کوشش کی ہے۔
- ایک ایسی آواز کی کہانی جسے قتل تو کر دیا گیا، لیکن وہ آواز آج بھی پورے ملک میں گونج رہی ہے اور اس گونج کا دائرہ بڑھتا ہی جا رہا ہے۔
- پہلی فرصت میں یہ نادر کتاب حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ کتاب حاصل کرنے کے پتے:

- ۱۔ اشتیاق پبلی کیشنز، ۹/۱۲ نصیر آباد، ساندہ کلاں، لاہور فون: ۳۷۱۵۳۷
- ۲۔ اشتیاق احمد، بازار لوہاڑاں، جھنگ صدر فون: ۳۲۹۵
- ۳۔ مولانا محمد ایاس بالا کوٹی، جامعہ عثمانیہ، سٹیٹس ٹاؤن، جھنگ
- ۴۔ محمد حسین برادرز، فریئر مارکیٹ، کراچی فون: ۷۴۹۵۵۱
- ۵۔ رفیق مغل، اخبار مارکیٹ، ہسپتال روڈ، لاہور فون: ۵۸۲۴۹
- ۶۔ اشرف میوزیم، اقبال روڈ، کینٹی چوک، راولپنڈی
- ۷۔ شمع بک شال، جھوان بازار، فیصل آباد فون: ۷۱۳۴۳۹
- ۸۔ آصف کتاب گھر، فوارہ چوک، جھنگ صدر فون: ۲۲۸۰

آپ مندرجہ بالا پتے میں پتوں

- جہاز کے پائلٹوں کو ضرور معلوم تھا۔
- انہیں ایک گننام وادی میں اتار دیا گیا ، اس وادی کے گرد
- عمودی پہاڑ تھے ۔
- نکلنے کا کوئی راستا نہیں تھا ۔
- ان سب باتوں کے علاوہ ان کے سروں پر ایک پراسرار
- پرندہ بھی موجود تھا ۔
- دشمن کا پروگرام یہ تھا کہ آپ کے محبوب کردار اس خوفناک
- دہلی سے نکل نہ پائیں ۔
- اور واقعی ؛ نکلنے کا کوئی راستا وہاں نہیں تھا ۔
- پھر کیا کردار اس وادی سے نکل سکے ؟
- انپیکٹر کامران مرزا پارٹی بھی قریب قریب انہی حالات کا
- شکار تھی ۔ ان کے چاروں طرف رکاوٹیں ہی رکاوٹیں تھیں ۔
- انپیکٹر کامران مرزا ، آفتاب ، آصف اور فرحت ایسا ہوٹل
- میں کیا کر رہے تھے ۔
- ہوٹل میں ایک آدمی سے ان کی پراسرار ملاقات ۔
- کیا وہ غلط فہمی کا شکار تھا ۔ یا کوئی اور بات تھی ۔
- ہوٹل شمران ۔
- ایک ریاست کے کنارے ایک بہت بڑا صحرا ۔
- کچھ لوگ ریاست سے صحرا خریدنا چاہتے تھے ۔

آئندہ خاص نمبر کے ایک جھلکے

۲۰ دسمبر کو پڑھیے قیمت ۲۸/۰۰ روپے

محمد ، فاروق ، فرزانه ، انپیکٹر جمشید ،
آفتاب ، آصف ، فرحت ، انپیکٹر کامران مرزا
اور ————— شوکی برادرز کا مشترکہ کارنامہ

پچیسواں خاص نمبر

سمندر کا آگ

مصنف : اشتیاق احمد

○ انپیکٹر جمشید ، محمد ، فاروق اور فرزانه کو معلوم نہیں تھا کہ انہیں

- دشمن اس صحرا کو کیوں خریدنا چاہتے تھے۔
- ریت کے اس سمندر میں کیا ہو رہا تھا۔
- تجربے پر تجربے کیے گئے۔ انھیں پروفیسر داؤد کی خدمات حاصل کرنا پڑیں۔
- کیا آپ کے کردار صحرا میں قدم رکھ سکے۔ دشمن کے اڈے تک پہنچ سکے۔
- دشمن کا ہیڈ کوارٹر ان کی نظروں سے بالکل اوجھل تھا۔
- دشمن جب چاہتا، اس کی جھلک دکھا دیتا تھا اور جب چاہتا، اسے چھپا لیتا تھا۔
- وہ ایسا کس طرح کرتا تھا۔
- آپ ساکت رہ جائیں گے۔
- پُر اسرار چنگاریوں کا راز کیا تھا۔
- جب چار بڑے مجرم ان کے سامنے آئے تو ان پر کیا بیعتی۔
- سی مون، جی موٹ، نولان اور جیرال اس بار پوری تیاریوں پر تھے۔
- اور انھیں نیست و نابود کر دینے پر تیار تھے۔
- انھیں ان سے کن حالات میں جنگ لڑنا پڑی۔
- اس ساری سازش کے پیچھے کن کا ہاتھ تھا۔ وہ کیا کرنا

- صحرا خریدنے کے لیے انھوں نے ریاست کا تختہ الٹ دیا۔
- ایک شہزادی کی شوکی برادرز کے دفتر میں آمد۔
- شہزادی انھیں اپنے ساتھ لے جانا چاہتی تھی۔
- شوکی برادرز عجیب پکڑ میں۔
- اور پھر جب سی مون ان کے سامنے آیا۔
- جمال قاسم اور عدنان قری۔ دو متضاد تصویریں۔
- ایسے لوگوں کی کہانی جو اپنا سب کچھ ٹا کر بھی دوسروں کو بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔
- اور ایسے لوگوں کی بھی جو اپنا سب کچھ بچانے کے لیے ملک اور قوم کا سودا کر بیٹھتے ہیں۔
- دونوں بڑی پارٹیوں کو جال میں پھانسنے والا کون تھا۔
- اس موقع پر ان کے سامنے جی موٹ آیا۔
- ایک انوکھے صحرا کی کہانی۔
- اس کی ریت دن میں آگ کی مانند گرم ہو جاتی تھی اور رات کو برف سے بھی زیادہ سرد۔
- ندون میں کوئی اس میں قدم رکھ سکتا تھا اور ندات میں۔

آئندہ ناول کی ایک جھلک

انپیکٹر ارسلان سیریز ۵۸

۲۰ دسمبر کو پڑھیے قیمت ۱۶/۰۰ روپے

ناول نمبر ۶۱

شہر کی طاقت

مصنف: آفتاب احمد

- انپیکٹر ارسلان کی عملی زندگی کا آغاز۔
- پندرہ سال پہلے کے انپیکٹر ارسلان سے ملے۔
- انہیں ایک مجرم کی قاتل دی گئی اور کہا گیا کہ یہ تمہارے ذمے
- پہلا عملی کام ہے۔ انہیں حکمہ سراخ رسائی میں آئے ابھی ایک
- ہفتہ ہی گزرا تھا۔
- کیا وہ مجرم کو گرفتار کر سکے؟ مجرم کون تھا؟

چاہتے تھے۔

- شروع سے آخر تک آپ کا مارے سپنس کے برا حال رہے گا۔
- اس قسم کی صورت حال ناول آپ نے شاید زندگی میں پہلے کبھی نہیں پڑھا ہوگا۔
- آپ کے سانس اُپر کے اُپر اور نیچے کے نیچے رہ جائیں گے۔
- منور علی خان کس وقت آپ کے کرداروں میں شامل ہوتے، آپ کو ان کی شمولیت اس مرتبہ بہت بھائے گی۔
- انہوں نے اپنے آنکھوں سے خوب کام لیے۔ آپ کھل اٹھیں گے۔
- آخر میں انپیکٹر جمشید پارٹی، انپیکٹر کامران مرزا پارٹی اور شوکی برادرز پر کیا بیٹی۔ چار بڑے دشمنوں کا پتہ جاری رہا یا ان کا۔
- آخری لڑائیاں آپ کو پلک نہیں جھپکنے دیں گی۔
- فتح اور شکست کے لحاظ سے بھی یہ ناول انوکھا ترین ثابت ہوگا۔
- آخر تک آپ سپنس کا شکار رہیں گے۔
- آج ہی اپنی کاپی بک کرائیں۔ کہیں دفین شدہ شہر کی طرح

پنجوں کے اردو ادب کا ترجمان

چاند ستارے

لاہور

دسمبر ۱۹۹۰ کا شمارہ شائع ہو گیا ہے

ایک جگہ ملاحظہ فرمائیں:

- جہنم کے بھاری — اشتیاق احمد کا نیا قسط وار مزاحیہ ناول۔
- اشتیاق احمد گئے جیل — اس ماہ کا خاص مضمون۔
- بابل کا جادو — ایسا بھی ہوتا ہے۔
- انسائیکلو پیڈیا عالم — ایک معلوماتی سلسلہ۔
- کون ہے — آپ بھی دیکھیں۔
- پاکستان کا "ک" — ایک معلومات افزا مضمون۔
- بیرون اور نوجوان نسل — نوجوان نسل کی تباہی کا سبب۔
- ایکشن — انجم شمیم کی ایک ادبی مزاحیہ تحریر۔
- ریچ کے آنسو — ایک انوکھی کہانی۔ آپ دھک سے رہ

- جام پور میں اندھا ظلم ہو رہا تھا، ایک شخص کے اشارے پر سب ناپج رہے تھے۔
- شہر میں سے باہر کوئی خبر نہیں جا رہی تھی، انسپٹر ارسلان بیکو نے خبر کیسے پہنچی؟
- انسپٹر ارسلان بادشاہ کے روپ میں۔
- زیڈ سے ملے۔ انسپٹر ارسلان پوری طاقت سے بھی اس کو گلا نہ دبا سکے۔ تو قیصر کو کتنا پڑا، کیا یہ دہڑکا انسان ہے۔
- جس کے اشارے پر ظلم ہو رہا تھا، اس کے پیچھے ایک طاقت تھی۔ اس طاقت سے آج کل بڑے بڑے کانپتے ہیں وہ طاقت کون ہے؟
- وہ دو ماہ تک ایک جزیرے پر قید ہے۔ انہیں کس نے کیا تھا؟
- ایئر اچانک انہیں دھوکا دے گیا۔
- ایک شہر کی کہانی یا ایک پورے ملک کی کہانی۔
- دشمن کرنسی کے طوفان نے جام پور کو اپنی پیٹ میں لیا تھا۔
- کہیں یہ کہانی ہمارے ملک کی تو نہیں ہے؟
- ہمارے ملک کی ہے؟ اچھا! تو پھر ہوش کیجیے۔ غریب کا

بھارت کے خلاف پتھروں کا محاذ

اس بات کو کون نہیں جانتا کہ بھارت ہمارا سب سے بڑا دشمن ہے۔ آج کل کشمیر کی جنگ آزادی کی وجہ سے پاک بھارت کشیدگی میں اور بھی اضافہ ہو گیا ہے۔ ظاہر ہے اس صورتحال میں جس کوئی ایسا قدم نہیں اٹھا رہا ہے جس کا فائدہ براہ راست یا بالواسطہ بھارت کو پہنچے ہو یا نہ ہو۔ پورے وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے بھارت اور بھارتی ایشیا کی مخالفت کرنی چاہیے۔ اگر کسی ملک کو تباہ کرنا ہو تو پہلے اس کی زبان اور ثقافت میں زہر گھول کر پھیلا جاتا ہے۔ جس طرح پاکستان کے ساتھ جوڑ ہے۔ انڈین ٹیچر، آڈیو ویڈیو فلمیں جیسے ملک میں اس تیزی سے فروغ دے رہی ہیں جیسے کہ بھارت میں بھی نہیں ہوتی ہوں گی۔ ان بھارتی فلموں کی وجہ سے ہمارے اپنے ملک کی فلمیں یعنی پاکستانی فلمیں ہی میں کامیاب نہیں ہوتی ہیں۔ اور جب پاکستان ہی کامیاب نہیں ہوگی تو باہر کیسے ہوں گی۔ ہم اپنے ملک کی چیزوں کا حمایت میں جسبائیادار لے کر CRUSH PAKISTAN کا نعروں لگا سکتے ہیں ہم CRUSH INDIA کا نعروں لگا سکتے ہیں بلکہ کبھی سکتے ہیں اس سلسلے میں ہمارا پہلا قدم بھارتی فلموں اور ٹیلیوژن اور تمام بھارتی ایشیا کا اپنے ملک خاتمہ کرنا ہے۔ اگر میرا گناہ سننے اور فلمیں دیکھنے کا شوق ہے تو پاکستانی فلمیں اور گانے جو میں روچے جو ہم بھارتی فلموں اور ٹیلیوژن پر خرچ کرتے ہیں اس میں اپنے کشمیری بہنوں اور بھائیوں کی مدد کرنی چاہیے جو مقبوضہ علاقے میں اپنی آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ اگر آپ پاکستان کو آزاد اور دیکھنا چاہتے ہیں تو براہ راست ہمارے ہمیں شریک کر بھارتی ایشیا کا ٹیکٹ کر کشمیری بھائیوں کی مدد کریں اور بھارتی حکومت کی تباہی

آپ سے التماس ہے کہ بھارتی گانے سننا اور فلمیں دیکھنا چھوڑ دیں!
ایف جی گرلز پبلک ہائی سکول ایٹ آباد

بائیں گے۔

- طبریا اور کوئٹہ ————— ایک جلی مضمون —
- عقل بڑی کر... ————— نئے نئے نکلنے والوں کے لیے بہترین کہانی۔
- آنکھ کی واپسی ————— آفتاب احمد کا ایک اور ناولٹ —
- اللہ کے علاوہ درج ذیلہ کیا نیاصہ نظمیں، مضامین اور مستطیلے سلسلے شامل ہیں:
- ایک آیت ایک حدیث۔ دو باتیں۔ حمد۔ نعت۔ حکمت کے موتی۔
- پہنڈ باتیں سرور کائنات ﷺ علیہ وسلم کی۔ احقر۔ مولانا عبد العزیز محدث دہلوی۔
- حضرت علی ہجویریؒ۔ ان دیکھے دوست۔ چالاک مجرم۔ اہل سبا۔
- سب سے بڑا پرندہ۔ کردار کے غازی۔ جاسوس بنیے۔ دوستی بانٹے۔
- آسیب۔ قاہرہ۔ سوسائٹی کی۔ کیسے کیسے یہ نامے۔ اب مکر ایسے بھی۔
- سالگرہ مبارک۔ حرکت میں برکت ہے۔ اچھا کیا یا برا۔ دوزخیوں کا حال۔
- اے میرے وطن۔

- آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ دسمبر ۱۹۹۰ء کے چاند ستارے میں آپ کے لیے کس قدر دلچسپیاں ہیں۔ خوب صورت اور دیدہ زیب سرودق۔ ضخامت ۱۲۲ صفحات۔ سائز ۱۹/۳۹x۲۳
- آج ہی دسمبر ۱۹۹۰ء کا چاند ستارے اپنے ہمارے طلب فرمائیں یا ہرک شال سے خریدیں یا پھر براہ راست ادارے سے منگوائیں۔
- قیمت فی شمارہ ۱۰/- روپے

- اور نہ آپ یہ جانتے ہیں کہ ان قوتوں سے کیا کیا کام لیے جاسکتے ہیں۔
- لیکن یہ کتاب پڑھنے کے بعد آپ سب کچھ جان جائیں گے۔
- اور پھر جب آپ ان قوتوں سے حیرت انگیز کام لیں گے تو آپ حیران رہ جائیں گے۔ کہ آپ میں کیا کیا کچھ بھرا پڑا ہے۔
- ایک اچھوتی کتاب۔
- اس قسم کی کتاب اردو میں آج تک شائع نہیں ہوئی۔
- ڈاکٹر سعید مختار نے اس کتاب کی تیاری میں بے شمار انگریزی کتب کھنگالیں، تب کہیں جا کر یہ کتاب تیار ہوئی۔
- آپ بھی اپنی زندگی میں ایسی کتاب پہلی بار پڑھیں گے۔

○

قیمت اور تاریخ اشاعت کا اعلان جلد کیا جائے گا۔

آئندہ کتاب کے ایک جھلک



مصنف: ڈاکٹر سعید مختار

- ہر انسان میں کچھ پُر اسرار قوتیں موجود ہیں۔
- آپ میں بھی۔
- لیکن آپ نہیں جانتے، وہ پُر اسرار قوتیں کیا ہیں۔
- اور نہ آپ یہ جانتے ہیں کہ ان قوتوں کو کس طرح ابھارا جاسکتا ہے۔
- اور نہ آپ یہ جانتے ہیں کہ ان قوتوں سے کام کس طرح لیا جاسکتا ہے۔

انجمن دعوتِ فکر و عمل

۳۵

نجات پانے والے

○ قرآنِ کریم کے پانچویں پارے، سورۃ نسا کے آٹھویں رکوع، آیت نمبر ۵۹ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اللہ کا کنا مانو اور رسول کا کنا مانو اور جو لوگ تم میں سے اہل حکومت ہیں، ان کا بھی کنا مانو، پھر اگر کسی امر میں (یعنی کسی معاملے میں) تم آپس میں اختلاف کرنے لگو تو اس امر کو اللہ اور رسول کے حوالے کر دیا کرو (یعنی وہاں سے جو حکم ملے، اسے قبول کر لیا کرو) اگر تم اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ امور سب بہترین ہیں اور ان کا انجام بہت اچھا ہے۔

اردو فیز کے لیے بہ کے پانچویں رکوع، pk7e@hotmail.com

آیت نمبر ۳۱ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ترجمہ: ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور دُرویشوں کو خدا بنالیا ہے۔

○ قرآنِ کریم کے چھٹے پارے، سورۃ مائدہ کے پہلے رکوع، آیت نمبر ۲ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

ترجمہ: نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی مدد کرتے رہو، گناہ اور ظلم و زیادتی میں مدد نہ کرو، اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔

● حدیث بخاری شریف، جلد نمبر ۲، پارہ نمبر ۱۲، صفحہ نمبر ۵۹، حدیث نمبر ۲۰۷۷، جہاد کا بیان:

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: (امام کی بات) سُنا اور ماننا ہر شخص پر ضروری ہے، جب تک کہ اسے کسی گناہ کی بات کا حکم نہ دیا جائے، پھر اگر کسی گناہ کی بات کا حکم دیا جائے تو نہ سُنا اور نہ ماننا ضروری ہے۔

● مدینہ شریف، بخاری، جلد نمبر ۳، پارہ نمبر ۲۹، صفحہ نمبر ۵۰۵، حدیث نمبر ۷۱۲۱، شخص واحد کی خبر کا بیان:

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر روانہ کیا اور ایک شخص کو اس پر امیر بنایا۔ اس شخص نے آگ جلوا کر لوگوں سے کہا۔ اس میں داخل ہو جاؤ۔ بعض نے داخل ہونے کا ارادہ کیا، مگر اور لوگوں نے کہا کہ ہم تو آگ سے ہی پناہ کے واسطے اسلام لائے ہیں، پھر انھوں نے یہ ذکر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے فرمایا، آگ میں داخل ہو جاتے تو قیامت تک اس میں رہتے اور باقی لوگوں سے فرمایا، (اللہ کے) گناہ میں کسی کی اطاعت نہیں ہے، اطاعت نیک کام کے اندر ہے۔

● حدیث ترمذی شریف، جلد نمبر ۲، صفحہ نمبر ۱۹۲، حدیث نمبر ۹۵۲، سورہ توبہ کی تفسیر:

ترجمہ: حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اس وقت میرے گلے میں سونے کی صلیب لٹک رہی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اپنے پاس سے اس بُت کو دور کر دو۔ اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قائل کیا، یہ جتنے سنا دینی اور پر کی آیت، ان

اردو فیز کے لئے pk7e@hotmail.com اور درویشوں کو

خدا بنا لیا ہے) یہ سن کر میں نے کہا، یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) انھوں نے تو کبھی عالموں اور پیروں کو خدا نہیں بنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسا نہیں تھا کہ لوگ ان کو پوجتے تھے، بلکہ جب وہ دیر اور عالم، کسی چیز کو ان کے لیے حلال کر دیتے تھے تو یہ اسے اپنے لیے حلال سمجھتے تھے اور جب کسی چیز کو ان پر حرام کر دیتے تھے تو یہ لوگ اس چیز کو اپنے اوپر حرام سمجھتے تھے۔

قرآن کریم کی مقدس آیات اور احادیث مبارکہ آپ نے پڑھیں۔ مطلب یہ کہ وہ لوگ اپنے پیروں اور مولیوں کے کہنے پر چلتے تھے، وہ غلط بتا دیں یا درست، جو بات انھوں نے کہ دی، وہ اس پر عمل کرنے لگے، اسے درست مان لیا، یہ اس زمانے کی جہالت تھی۔ افسوس یہی جہالت آج ہمارے ہاں بھی عام ہو چکی ہے۔ ابڑ اور ان پڑھ قسم کے مولوی لوگ قرآن اور حدیث کے خلاف باتیں اپنے واعظوں میں بیان کرتے ہیں اور سادہ لوح لوگ ان باتوں پر فوراً ایمان لے آتے ہیں، یا وہ قصے کہانیاں بیان کرتے ہیں اور ان قصوں کہانیوں کو دین سمجھ لیا جاتا ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے سے لے کر بعد

کی اطاعت حرام ہے۔ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ جہاں پر یا جس کام میں اللہ تعالیٰ کا گناہ ہوتا ہو، تو اس جگہ پر یا اس کام میں دستبردار رہنا لازم ہے، کیونکہ قرآن کریم سے یہی ثابت ہے۔
○ قرآن کریم کے پچھلے پارے، سورہ مائدہ کے پہلے رکوع، آیت نمبر ۲ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ترجمہ: نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی مدد کرتے رہو، گناہ اور ظلم میں مدد نہ کرو، اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔

خلاصہ یہ کہ ہر شخص کو چاہیے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرماں بردار بن جائے، جو حکم ملے، بجالائے، جن چیزوں سے روک دے، رک جائے، جو گناہ ہو جائے، اس سے خوف کھتا رہے، آئندہ کے لیے اس سے بچتا رہے۔ ایسے لوگ تمام بھلائیوں کو سمیٹنے والے اور تمام برائیوں سے بچنے والے ہیں۔ دنیا اور آخرت میں بھی نجات پانے والے ہیں۔



کیا بات کر میر اور احادیث مبارکہ آپ نے پڑھیں، اپنے اندر گرد کا بغل جائزہ لیں۔ کہیں آپ ایسے ہی عالموں کے جال میں تو نہیں آئے ہوئے۔

خادمِ انجمن:

اشتیاق احمد

تک عیسائیوں میں پوپ اور دیگر پادری وغیرہ اس کمرتبے پر مانے جاتے تھے اور اب بھی مانے جاتے ہیں۔ حالت یہ ہے کہ اگر وہ کوئی بات عقل کے خلاف بھی بیان کر دیں تو فوراً سوچے سمجھے بغیر مان لی جاتی ہے۔ یہ مذہبی تقلید حرام ہے۔ یہ بات تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو فوراً بلا چون و چرا مانا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اگر کسی کی بات تسلیم کرنے کے قابل ہے تو وہ صرف اس لحاظ سے ہے کہ وہ یا تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں یا اس روایت میں سے حکم دیتے ہیں۔

تفسیر حقانی، جلد نمبر ۳، صفحہ نمبر ۱۱۹، سورہ آل عمران کے ساتویں رکوع کی تفسیر میں ہے:

”مخلوق کی اطاعت خالق کے گناہ میں جائز نہیں اور اس واسطے حرام ہے مرد پر دوسرے کی ڈاڑھی کا ٹٹنا۔“
مطلب یہ کہ کوئی شخص کسی نائی، یعنی حجام سے کہے کہ میری ڈاڑھی تراش خراش کر دے یا مونڈ دے تو مسلمان حجام کو ایسا کرنا حرام ہے۔

یہ تو دلیل کے طور پر ایک بات لکھی گئی، ورنہ ہر وہ کام

اردو فیز کے لیے، اس کام میں مخلوق pk7e@hotmail.com



موصول ہونے والا ایک خط اور اس کا جواب —



بخدمت ادارہ مجلس تحفظ ختم نبوت

اسلام علیکم! عرض ہے، جناب میں آپ کو کچھ اپنی غلطی کے متعلق لکھ رہا ہوں۔ اگر ہو سکے تو معاف کر دینا اور خداوند کریم کے حضور میرے لیے دُعا کر دینا، کیونکہ میں نے جو غلطی کی ہے، وہ ناقابلِ معافی ہے۔ بات کچھ اس طرح کی ہے کہ میری ایک قادیانی دوست کے ساتھ طلاقات ہوئی تھی، مگر قبل اس کے دوستی نہیں تھی، صرف اس کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا تھا۔ ایک روز میری اور اس کی مذہبی امور پر بات چل پڑی تو اس نے کہا: دیکھو طارق! آپ لوگ ہم پر بہت ظلم کر رہے ہیں۔ جب میں نے پوچھا کہ بھائی، ہم لوگ آپ پر کون سے ظلم کر رہے ہیں تو کہنے لگا، ہماری مسجدوں سے کلمہ شایا ہے اور آپ ہمیں کافر کہتے ہیں۔ ہمارا کلمہ ایک، قرآن ایک اور

اردو فیزکس کے لیے pk7e@hotmail.com

سے فرداً یہ سوال کر دیا کہ ربوے میں آپ نے یہ حُودوں والا کیا چکر چلا رکھا ہے؟ اس نے کہا، یہ سب جھوٹ ہے، ہمارا جلسہ ہونے والا ہے، آپ میرے ساتھ چلیے۔ میں نے اس کی یہ دعوت قبول کر لی۔ یہ جلسہ دسمبر ۱۹۸۹ء کو سندھ کے شہر باندی میں ہوا تھا۔ میں اس جلسے میں شریک ہوا۔ جب میں جلسہ گاہ پہنچا تو وہ لوگ بہت اخلاق سے ملے، اتنی محبت تو شاید مجھے اپنوں میں نہ ملی ہو گی۔ اس محبت کا مجھ پر اتنا اثر ہوا کہ میں نے خیرا طاہر کے جلسے کی کیسٹ پر کیسٹ سُنا شروع کر دی اور ان کا لٹریچر پڑھنے لگا۔ یعنی ان کی تعلیم سے محبت ہو گئی۔ ان کے ساتھ نمازیں پڑھنا شروع کر دیں۔ جماعت خانے میں میری دن بدن قدر اور عزت بڑھتی گئی، دُتوں میں عزت ملی۔ پرانے دوست سب ساتھ چھوڑ گئے۔ میری اتنی دعوتیں ہوئیں کہ میں مجبور ہو گیا۔ گھر میں والدہ بھی اس بات پر اعتراض کرتی تو والدہ کو بھی ڈانٹ دیتا اور صاف صاف کہہ دیتا، اگر میرے پاس رہنا ہے تو میرے کسی کام میں دخل نہ دو۔ آخر کار سب خاموش ہو گئے۔ میں قریباً ایک سال سے ان کے چکروں میں پڑا ہوا ہوں، نہ تو میں چھوڑ سکتا ہوں اور نہ اپنا سکتا ہوں۔ اب اس موڑ پر کھڑا ہوں۔ آپ خود سمجھ وار ہیں۔ جہاں سے اتنی محبت ملی

کا خط ملا، جس میں آپ نے مختصر مگر تفصیلاً اپنے حالات کا تذکرہ کیا ہے، ساتھ ہی قادیانیت سے چٹکارنے کی خواہش بھی آپ کے دل میں موجود ہے۔ تو جی خدا بھی ان افراد کی ضرورت مند کرتا ہے کہ جو حق کی تلاش میں رہتے ہیں۔

سب سے پہلے آپ نے اپنے دوست کے بارے میں لکھا کہ اس نے مجھے بتایا کہ مسلمان ان پر ظلم کر رہے ہیں، ان کی عبادت گاہوں سے کھٹایا جا رہا ہے، کافر کہتے ہیں، کلمہ تو ایک ہے۔

یہاں میں آپ کی یہ سب سے بڑی غلط فہمی دور کرنا چاہوں گا کہ مسلمانوں اور قادیانیوں کا کلمہ ایک ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی کا بیٹا مرزا بشیر احمد بی۔ اے اپنی کتاب ”ریویو آف ریلجنز“ (جسے کلمۃ الفضل بھی لکھا گیا ہے) کے صفحہ ۱۵۸، ۱۵۹ پر اس اعتراض کے جواب میں کہ اگر مرزا نبی ہے تو کلمہ آپ

مرزا کا کیوں نہیں پڑھتے، کہتا ہے: ”بفرض محال یہ بات مان لیں کہ کلمہ شریف میں نبی کریمؐ کا اسم مبارک اس لیے دکھا گیا ہے کہ آپ آخری نبی ہیں، تو تب بھی کوئی حرج واقع نہیں ہوتا اور ہم کو نئے کلمہ کی ضرورت پیش نہیں آتی، کیونکہ مسیح موعودؑ نبی کریمؐ سے کوئی الگ چیز نہیں۔“ اسی صفحے پر آگے لکھتا ہے، ”پس مسیح موعودؑ خود محمد رسول اللہؐ ہے، جو اشاعت اسلام کے

ہو، وہاں بے وفائی کس طرح کروں۔ اب میں آپ کو اس لیے خط لکھ رہا ہوں کہ آپ میری مدد کریں۔ مجھے ایسے سوال بتا دیں جو میں ان کے مرتبی سے کروں اور وہ جواب نہ دے سکے، اسے پتا چل جائے کہ اب یہ ہمارے ہاتھوں سے نیکل چکا ہے۔

آپ کا مجھے اس طرح علم ہوا کہ آج شام جب میں نماز پڑھنے مسجد میں گیا تو وہاں پر آپ کا پوسٹر لگا ہوا تھا، جب میں نے وہ پڑھا تو دل پر اثر ہوا۔ آپ ازراہ کرم مجھے وہ لٹریچر بھی ارسال کریں، جس میں تائید یا میں ان کی مسجد پر ان کا کلمہ لکھا ہوا ہے۔ باقی کلمہ اور قرآن تو یہ ہمارا ہی پڑھتے ہیں۔ امید ہے، آپ میری ضرورت مدد کریں گے، ورنہ ایسا نہ ہو کہ میں دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر یہ راستہ اختیار کروں۔ باتیں تو بہت ہیں، کبھی پنجاب آنا ہوا تو ضرور آپ سے ملاقات کروں گا۔ دعا گو:

طارق جاوید

معرفت سندھ ڈیکوریشن سروس، مسجد روڈ، نواب شاہ (سندھ)



جناب طارق جاوید

اردو فیز کے لیے، سے ہوں گے۔ آپ pk7e@hotmail.com

ہیں، جس میں آپ کو حق کی تلاش میں آسانی رہے گی۔ جلد ۸، شمارہ ۸ کے صفحہ نمبر ۱۱، ۱۸، ۱۹ پر آپ دیکھیں کہ مرزا قادیانی نے کس طرح قرآنی آیات کو اپنی کتابوں میں جا بجا غلط لکھا ہے۔ اگر کوئی قرآن ہی کو غلط سمجھتا ہے، اس میں زیادتی کیا کی کرتا ہے تو وہ مسلمان کیوں کر ہو سکتا ہے۔

آپ نے لٹریچر مانگا ہے کہ جس کا قادیانی مرتبی جواب دے سکے، تو اس کے بارے میں ایک ہی سوال لکھا ہوں کہ جس کا قادیانی باوجود کوشش کے آج تک جواب نہیں دے سکے۔ سب سے پہلے آپ یہ مسئلہ ذہن میں رکھیں کہ جو نبی ہوتا ہے، وہ خود نہیں بولتا، بلکہ اللہ تعالیٰ خود اسے بتلاتے ہیں اور جو کچھ اس کی زبان سے نکلتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوتا ہے۔ آسان لفظوں میں یوں سمجھ لیں کہ نبی کی بات جھوٹی نہیں ہو سکتی۔

مرزا غلام احمد قادیانی کے بیانات اپنی عمر کے بارے میں:

۱۔ میری پیدائش ۱۸۳۵ء یا ۱۸۴۰ء میں ہوئی۔ (کتاب البرۃ) عمر ۶۸ سال بنی ہے۔

۲۔ جب میرے والد نے اس دنیا کو چھوڑا تو اس وقت میری عمر

۳۴ یا ۳۵ سال تھی۔ (کتاب البرۃ)

۳۔ مرزا غلام مرتضیٰ (والد مرزا قادیانی) نے ۱۸۷۶ء میں انتقال کیا۔

یہ دوبارہ دنیا میں تشریف لاتے، اس لیے ہم کو کسی نئے کلمہ کی ضرورت نہیں۔ اس اقتباس کو پڑھ کر خود ہی اندازہ لگائیں کہ مرزائیوں کا یہ کہنا کہ ہمارا اور مسلمانوں کا کلمہ ایک ہے، کس قدر دجل اور دھوکا ہے۔ آپ کو اس کی فوٹو سیٹ بھی بھجوائی جا رہی ہے تاکہ آپ اصل کتاب پڑھ کر ان کے فریب سے آگاہ ہو سکیں۔ ساتھ ہی ایک پمفلٹ بعنوان "کلمہ طیبہ کی توبہ" آپ کو ارسال کیا جا رہا ہے، اس بارے میں یہ پمفلٹ بھی آپ کی رہنمائی کر سکے گا۔ اسی کتاب کے صفحہ ۱۶۹ پر ایک اور اعتراض پر کہ اگر مسیحی معبود واقعی اپنے منکروں کو کافر سمجھتے تھے تو کیوں آپ نے وہ سلوک روا رکھا جو کافروں سے جائز نہیں۔ جواباً مرزا بشیر احمد لکھتا ہے: "غیر احمدیوں (یعنی مسلمانوں) سے ہماری نمازیں الگ کی گئیں، ان کو لوکیاں دینا حرام قرار دیا گیا، ان کے جنازے پڑھنے سے روکا گیا۔ اب باقی کیا رہ گیا ہے جو ہم ان کے ساتھ مل کر کر سکتے ہیں۔" (اس صفحے کی فوٹو سیٹ بھی آپ کو بھجوائی جا رہی ہے) ان تحریروں کو پڑھ کر آپ پر واضح ہو جائے گا کہ ان کی کتابوں میں کیا لکھا ہے اور یہ سادہ لوح مسلمانوں کو درغلانے کے لیے کیے دجل اور فریب سے کام لیتے ہیں۔

یہ سب "ختمہ" کے نام سے بھجوائے جا رہے ہیں۔

(سیرت میک موعود)

۴۔ بہت سے اکابر وقت گزرنے میں جنھوں نے میرے لیے پیش گوئی کی اور بتایا، بعض نے تاریخ پیدائش بھی بتادی جو چرخ دین ۱۲۶۸ ہجری ہے۔ (الحکم ۱۰ اپریل ۱۹۰۴ء صفحہ ۶) عمر ۵۵ سال بنی ہے۔

۵۔ میری عمر کے ۴۰ سال پورے ہونے پر صدی کا سر بھی آپہنچا۔ (تربیاق القلوب) عمر ۶۶ سال بنی ہے۔

۶۔ جب سلطان احمد پیدا ہوا، اس وقت ہماری عمر صرف ۱۶ سال تھی۔ مرزا سلطان احمد ۱۹۱۳ ہجری یعنی ۱۸۵۶ء میں پیدا ہوئے۔ (سیرت المہدی) عمر ۶۸ سال بنی ہے۔

۷۔ ۱۳۲۳ ہجری میں میری عمر ۷۰ سال ہے۔ (براہین احمدیہ ج ۱۱) عمر ۷۳ سال بنی ہے۔

عمر کے بارے میں مرزا کی پیش گوئی یہ ہے کہ میری عمر ۸۰ سال ہوگی، اس سے دو چار سال کم یا زیادہ۔

ان بیانات کو بڑھنے کے بعد ہر شخص جان سکتا ہے کہ مرزا کیا تھا۔ کتنا بڑا جھوٹا تھا۔ اگر اس میں اب بھی شک رہ گیا ہو تو مرزا کے یہ بیانات پڑھیں :

۱۔ جب کوئی ایک بات میں جھوٹا ثابت ہو جائے تو پھر دوسری

اردو فیز کے لیے کشتی نوح pk7e@hotmail.com

۲۔ انبیا اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے، نہیں بولتے جب تک اللہ نہ بولائے، کوئی کام نہیں کرتے جب تک اللہ نہ کرائے، وہ اللہ کے ہاتھ میں ایسے ہوتے ہیں جیسے مردہ۔ (ریویو جلد دوم صفحہ ۷۷)

اس ساری تفصیل سے ثابت ہوا، بقول مرزا اس کی عمر ۶۸ سال، ۵۸ سال، ۶۶ سال، ۷۳ سال تھی۔ تاریخ احمدیت کی رو سے ۷۳ سال تھی۔ آپ اس سے کس بات کو درست مانتے ہیں، جبکہ پیش گوئی کی رو سے اس کی عمر ۸۰ سال بنتی ہے۔ آپ مندرجہ بالا سوال قادیانی مرتبی کے سامنے رکھ سکتے ہیں، اسے کہیں کہ اس کا درست جواب دے۔

آپ نے لکھا ہے کہ مرزائیوں کا اخلاق بہت اچھا ہے۔ آپ صرف یہ بتائیں کہ اگر کوئی قادیانی مرتبی اپنی بیٹی کو اپنے سامنے کسی دوسرے کے ساتھ زنا کے لیے پیش کر دے، اس کا اخلاق کس قدر خراب ہوگا۔ ان واقعات کی تفصیل کے لیے آپ کو ایک مخبر قادیانی عبد الرزاق متہ کا استغاثہ پیش کیا جا رہا ہے۔ نام ہے "مرزائیوں کی روحانی شکار گاہ"۔ یہ کتاب بچہ پڑھ کر آپ کو مرزائی اخلاق جھٹکا نظر آئے گا۔

آخر میں آپ نے لکھا ہے کہ کبھی پنجاب آنا ہوا تو ضرور ملاقات کر دوں گا۔ آپ ضرور آئیں، آپ کو ضرور تسلی بخش جواب

خطوط کے آئینے میں

دیا جائے گا۔ فری الجمن کے حل کے لیے آپ ہمارے نواب شاہ میں واقع دفتر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت میں بھی ضرور رابطہ کریں، وہ آپ کو فری طور پر مطمئن کر سکیں گے، وہاں پر موجود مبلغ بھی آپ کی رہنمائی میں تعاون کرے گا۔ نواب شاہ میں دفتر کا قون نمبر ۴۴ ہے۔

آپ کو خط مختصراً لکھا جا رہا ہے، زیادہ تر طریقہ پھر بھجوا جا رہا ہے تاکہ آپ خود قادیانیوں کے عقائد پڑھ کر فیصلہ کر سکیں۔ ہاں یہ ضرور کہوں گا کہ ان پمفلٹوں میں جو جو حوالہ جات دیے گئے ہیں، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ہر ہر حوالے کی ذمہ دار ہے۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ آپ کو مرزائیوں کے چنگل سے چٹکارے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین !

والسلام :

غلام حسین

دفتر مجلس تحفظ ختم نبوت، جھنگ صدر

محترم اشتیاق احمد صاحب، السلام علیکم اتین چار دن قبل میں اپنے ایک شاگرد کو ٹیوشن پڑھانے گیا تو وہاں ایک چھوٹا سا ناول خاتل مجھ دیکھا، جو آپ کی تخلیق تھا۔ ناول تو میں چند منٹ میں نہ پڑھ سکا، مگر ناول کے آخر میں چند خطوط ضرور پڑھ لیے، جن میں قادیانیوں کے دینی اور قومی کردار کے پس منظر میں لکھے جانے والے ایک ناول (خاص نمبر) "باطل قیامت" کا تذکرہ تھا۔ چونکہ بندہ خود بھی عقیدہ ختم نبوت اور قادیانیت کا طالب علم ہے، لہذا بالخصوص ایک کڑائے کی لائبریری سے ناول "باطل قیامت" حاصل کر کے مطالعہ کیا۔ ابھی دس پندرہ منٹ پہلے فارغ ہوا ہوں۔ ناول میں تبصرے کی دعوت پڑھ کر آپ کو یہ خط تحریر کر رہا ہوں۔

"باطل قیامت" جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، ناول کے موضوع اور مفہوم کو اجاگر نہیں کرتا۔ ناول کے اندر تمام تفصیلات دین اور وطن کے دشمن جابانیوں (آپ نے قادیانیوں کی بجائے یہ خط استعمال کیا ہے) کی سازش اور اسلام دشمن منصوبے کے بارے

(نوٹ)

طریقہ پڑھنے کے بعد اور قادیانی مرتبی سے گفتگو

فرماتیں — شکریہ !

ناول میں ایک بات مجھے بہت کھٹکی ہے۔ اور وہ ہے
 مجاری شریف اور تذکرۃ الشہادتین کی عبارتوں میں اختلاف اور
 مرزائی عالم کا صدر سے ایک ہفتے کی اجازت لینا اور پھر
 غائب ہو جانا، جب کہ یہ مرزائیوں کی عادت نہیں ہے،
 بلکہ وہ لایعنی اور باطل تاویلیں کرتے ہیں۔ مطلب و مفہوم کو توڑ مروڑ
 کر اپنے عقیدے کے مطابق بیان کرتے ہیں۔ ان کا یہ عمل مسلسل
 جاری رہتا ہے اور تاویلات میں تحریفات بھی یہ لوگ اس
 وقت تک کرتے رہتے ہیں، جب تک کہ ان کا مقصد حاصل
 نہیں ہو جاتا۔ مرزائی مبلغ کا فرار، ان کی نفسیاتی عادت کے
 خلاف جاتا ہے۔

عام سی بات ہے کہ آپ کے ناول سبق آموز، مہماتی،
 جاسوسی اور فراڈنگ کا مظہر ہوتے ہیں، جو کہ بچوں کی نفیحات کو
 نقصان پہنچاتے ہیں، لیکن اب آپ نے اگر بچوں کو
 عقیدہ و دین سے متعارف کروانے کی ٹھان لی ہے،
 جیسا کہ باطل قیامت میں آپ نے کیا ہے، تو آپ کو اس
 ناول میں عقیدہ ختم نبوت کی عام فہم اور سادہ انداز میں گفتگو
 شامل کرنی چاہیے تھی، تاکہ نونہالان ملت کو اس عقیدے کا
 بنیادی تصور ذہن نشین ہو جاتا۔ بلاریب کہ آپ نے اس
 موضوع پر چند ایک احادیث نقل کی ہیں، لیکن نظریہ ختم نبوت

میں ہیں۔ ناول کا نام کچھ اس طرح کا ہونا چاہیے تھا۔ تباہ کن
 منصوبہ، اسلام دشمن سازش، دین کے دشمن، جھوٹا گروہ، عجیب
 دعوہ، نقلی مسیح، نقلی ابن مریم، دھوکے باز، شیطانی دماغ کی
 خوف ناک سازش، آستین کے سانپ وغیرہ وغیرہ۔

ناول کی کمائی یقیناً بہت جان دار ہے۔ آپ نے اپنے
 ادیبانہ انداز میں بہت زیادہ تجسس، حیرانی اور خوف و دہشت
 کی صورت حال پیدا کی ہے اور آہستہ آہستہ کمائی کا رخ موضوع
 کی طرف موڑا ہے۔ ختم نبوت کے حوالے سے آپ نے چند ایک
 مستند حدیثوں سے بھی اپنے ناول کو سمجایا ہے، لیکن سچا جھوٹا
 ثابت کرنے کے مراحل میں آپ نے مادی دلیلیں پیش کی ہیں اور
 پھر سب سے اہم بات یہ کہ حدیثوں میں مسیح موعود کا سرے
 سے کوئی ذکر نہیں ہے۔ ہاں مسیح ابن مریم کے نزول کی پیش گوئی
 اور جزئیات ہیں۔ یاد رہے کہ مسیح موعود کی اصطلاح مرزا قادیانی
 کی گھڑی ہوئی ہے۔ جیسے کہ خلی، بروزی، میشل، متبع نبی کی اصطلاح
 بھی اسی مرتد و زندقہ اور انگریزوں کے کارہائیس کی گھڑی ہوئی ہیں۔
 آپ نے مسیح موعود کی تکذیب اپنے ناول میں مذکورہ پہلو سے
 نہیں کی ہے۔ روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر مسیح کا سلام کہنا اور
 قبر سے سلام کا جواب آنا واقعی ایک دینی دلیل ہے جو آپ کے

اور ایمانیات میں اس کی اہمیت اجاگر نہیں کی گئی۔

دوسرے یح کے نزول کا منظر بھی اپنے اندر متعدد دلچسپ نکات، شاید یہ ناول میرے مطالعے میں کچھ اضافہ کر سکے۔ آپ کا غصہ، لیے ہوئے تھا، مگر یہاں بھی ایک خلا بہت زیادہ محسوس ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ جعلی یح جب دجال کو باب مکہ پر قتل ہیڈ کوارٹرزد، اسلام آباد کرتا ہے، مگر دجال کی سرخ شدہ ہیبت اور قتل کا منظر نہیں دکھایا گیا۔ صرف ریڈیو سے ایک خبر سنا کر اتنے اہم منظر چھپا دیا۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ انسپکٹر ز پادری زیر سمندر سائنسی شیشے میں ٹی وی سکرین پر یہ منظر دیکھتی اور پھر حدیث کی روشنی میں معاشرے کی برائیوں کا پتا چلتا ہے۔ اس ناول کو پڑھ کر اس منظر کے محاسن و معائب بیان کیے جاتے۔ اس طرح قاری کو معلوم ہوا کہ انسان دنیاوی جادو کے لیے بڑے سے بڑے کے علم میں دجال کے بارے میں زیادہ اضافہ ہوتا۔

محترم انکلی اشتیاق احمد، السلام علیکم! آپ کا مینی خاص نمبر چھپا دیا۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ انسپکٹر ز پادری زیر سمندر سائنسی شیشے میں ٹی وی سکرین پر یہ منظر دیکھتی اور پھر حدیث کی روشنی میں معاشرے کی برائیوں کا پتا چلتا ہے۔ اس ناول کو پڑھ کر اس منظر کے محاسن و معائب بیان کیے جاتے۔ اس طرح قاری کو معلوم ہوا کہ انسان دنیاوی جادو کے لیے بڑے سے بڑے کے علم میں دجال کے بارے میں زیادہ اضافہ ہوتا۔

مجموعی طور پر آپ کا ناول دلچسپ اور معلوماتی ہے۔ کرداروں کے احادیث مبارکہ ایمان افروز تھیں۔

کی نوک جھونک کی زیادتی بھی کھٹکتی ہے، مگر چونکہ ناول کا Low سید نعیم الحق، ۲۲۱۔ آر سیکٹر ۸، ناد تھ کراچی، کراچی ۲۶ معقول ہے، لہذا یہ نوک جھونک قابل برداشت ہے۔ جھوٹوں (مثلاً سی مون اور اشماریہ) کا انجام عبرت ناک عام مسلمانوں کے ہاتھوں ہونا چاہیے تھا، مذکر اتنا آسان کہ دو لڑکیوں نے انھیں انجام کو پہنچا دیا۔ اس لیے کہ دین کے دشمنوں کا انجام ہمیشہ عام سے اس کا صحیح جواب دینے پر میں آپ کو داد دیتا ہوں۔ اس ناول میں چکروں کا طوفان موجود تھا۔ مجرم کا اندازہ کرنا گویا ستاروں کے ہاتھوں ہوتا آیا ہے۔

اتنا اچھا اور دلیری کے جذبے سے معمور ناول کھٹنے پر میرے

کو گنا تھا۔ اس ناول نے کرداروں کے ساتھ ساتھ ہمارے دماغ کی چولیں ہلا دیں۔

اللہ کرے زود قلم اور زیادہ سید عبدالرشید، مکان نمبر ۳۳۲، ۱۱۶/۱ سے نزد روپ محل، ہیر آباد، حیدر آباد

گزشتہ ماہ کی مطبوعات

۳۳۲

سازش کا شہزادہ (انپکٹر مجید + شوکی برادرز) ۱۴/۰۰ روپے

۵۵

مارکوش کی چال (تینوں پارٹیوں کا خاص نمبر) ۳۶/۰۰ روپے

۵۶

باطل قیامت (تینوں پارٹیوں کا خاص نمبر) ۵۰/۰۰ روپے

۵۹

قانون کے چور (آفتاب احمد کی انپکٹر مجید سیریز) ۱۲/۰۰ روپے

۲۵

۱۰/۰۰ روپے



اشتیاق احمد

کے سنسنی خیز، ہنگامہ آرا مزاج اور بجاٹوسی
سے بھرپور ناول

اس ماہ کے ناول

- ۳۳۳ سانپ کی آستین (ایڈیٹر جمیل سیریز) ۱۶/۰۰ روپے
- امیر عروایت حضرت مولانا حق نواز جھٹکوی ۱۰۰/۰۰ روپے
- ۵۴ پُر خون فتنہ (ایڈیٹر جمیل سیریز) ۱۶/۰۰ روپے
- ۵۵ بگ باس (ایڈیٹر کامران مرزا سیریز) ۱۶/۰۰ روپے
- ۵۶ پھانسی گھر (شوکی سیریز) ۱۶/۰۰ روپے
- ۶۰ مونا شہ جیرال (آفتاب احمد کی ایڈیٹر جمیل سیریز) ۱۶/۰۰ روپے

آئندہ ماہ کے ناول

— پچھیسوالہ خاصہ نمبر —

عمود، غادوق، فرزاد، انیسٹر جمیل سیریز
آفتاب، آصف، فرحت، انیسٹر کامران مرزا
اللہ — شوکی مراد دوز کا شتر کہ کار نامہ

۲۵ — سمندر کی آگ — ۴۸/۰۰ روپے

۶۱ — شہر کی طاقت (ایڈیٹر ارسلان سیریز) ۱۶/۰۰ روپے

اشتیاق احمد کی پیشکش

تصویر آبادہ مسلم بونہ ساندہ کلان لاہور فون نمبر ۳۲۹۵

برانچ آفس وی ۸/۴ سٹیل اسٹ ٹاؤن — جھنگ صدر — فون نمبر ۳۲۹۵